قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۷ شمارہ: ٦

جمادی الاخریٰ: ۱۴۴۵ھ - جنوری: ۲۰۲۴ء

قیمت فی شمارہ: ٦۰ روپے، زرِ سالانہ: ۷۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر مُعاوِن

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

جنگی حالات میں اسلامی اور غیر اسلامی رویّوں کا فرق	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
اعلامیہ ''حرمتِ مسجدِ اقصیٰ کانفرنس'' اسلام آباد	۸	

مقالات ومضامین

مکاتیب صاحبزادگان مولانا محمد بن موسیٰ میاںؒ بنام حضرت بنوریؒ	۱۱	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
بے مثال وراثت!	۱۳	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ
سیرتِ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسیاتِ مدنیہ کے کچھ پہلو	۲۰	ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری
مَحرم کے بغیر عورت کا سفر اور اسلامی نظریاتی کونسل کی اجازت	۳۱	مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہیے!	۴۲	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
دینی احکام واصطلاحات میں تحریف کا فتنہ	۴۵	مفتی عبید الرحمٰن
فلسطین اور اسرائیل جنگ کی تاریخ ... داستانِ ہوشربا	۴۹	مولانا سفیان علی فاروقی
''ربیع الآخِر'' اور ''جُمادَی الآخِرَۃ'' کا صحیح تلفظ کیا ہے؟	۵۵	مولانا محمد جاوید

یادِ رفتگاں

استاذِ جامعہ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	۵۹	محمد اعجاز مصطفیٰ
جامعہ کے استاذ وامام جامع مسجد بنوری ٹاؤن کو صدمہ	۶۰	

دار الافتاء

نفل نماز کے سجدے میں اردو زبان میں دعاء مانگنے کا حکم	۶۱	ادارہ

نقد ونظر

زاد الرشید فی فوائد التفسیر ... نقوشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (مکی زندگی)	۶۲	ادارہ
آباء کے دیس میں ... میرے رہنما، میرے ہم نوا		

ی

بصائر و عبر

جنگی حالات میں اسلامی اور غیر اسلامی رویّوں کا فرق

اسرائیل کے مظالم اور فلسطینی مجاہدین کا حُسنِ سلوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و سلامٌ علٰی عباده الذین اصطفٰی

اسلام سلامتی اور خوبیوں والا مذہب ہے۔ اسلام کے محاسن میں سے ہے کہ اس میں انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے حقوق کی نگہداشت، حفاظت اور پاسداری ہے۔ اسلام مسلمانوں کو جانوروں سمیت تمام انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ خلقِ خدا کے ساتھ رحمت و شفقت اور عدل و احسان کا معاملہ اسلام کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے۔ جب کہ ظلم و ستم، ناحق مار پیٹ، کسی کو پریشان کرنا یا کسی کی حق تلفی کرنا، اسلام کی نظر میں انتہائی معیوب، قبیح اور مجرمانہ عمل ہے، جس سے اسلام انتہائی سختی سے منع کرتا اور روکتا ہے۔ اسلام سے پہلے انسانوں کو غلامی کی چکی میں پیسا جاتا اور اُن کے ساتھ بہیمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اسلام ہی نے غلاموں، باندیوں اور قیدیوں کو ان کے انسانی حقوق کا مستحق ٹھہرایا، جیسا کہ کئی احادیث اس پر شاہد ہیں:

۱- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’إن إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم، فمن كان أخوه تحت يدهٖ فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتوهم

ما يغلبهم فأعينوهم.'' (صحیح بخاری، ج:۱،ص:۳۴۶)

یعنی: ''جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا دستِ نگر اور ماتحت بنایا ہے، وہ تمہارے بھائی ہیں (یعنی لونڈی، غلام اور خدمت گار) ان کو وہ کھانا دے جو خود کھائے، اور ان کو وہ پہنائے جس کو خود پہنے۔ ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جس سے وہ تھک جائیں، اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دینا ضروری ہو تو پھر خود بھی اُن کا ہاتھ بٹاؤ۔''

۲-حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ:

'' كان آخرُ كلام النبي صلى الله عليه وآلهٖ وسلم: الصلاة و ما ملكت أيمانكم.'' (ابن ماجہ،ص:۱۹۳)

''آنحضرت ﷺ نے وصال سے قبل آخری نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ: ''نماز کا خیال رکھو اور اپنے زیرِدست غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔''

اسلام نے جنگوں کے احکام اور جنگوں میں دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تفصیلات بیان کی ہیں، خصوصاً جب دشمن کو قیدی بنالیا جائے تو ان کے ساتھ کس طرح سلوک کیا جائے۔ ان اسلامی محاسن ومکارم کا پہلا دستاویزی مجموعہ فقہ حنفی کے تیسرے بڑے امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''السیر'' ہے۔ یہ کتاب بین الاقوامی مراسم اور جنگی آداب کے حوالے سے انسانی حقوق کا پہلا مدوّن چارٹر ہے۔ آج کی نام نہاد مہذب دنیا ان اسلامی روایات اور تہذیب وتمدن کے آگے ہیچ ہے، اس لیے کہ آج کی مہذب دنیا اپنے مخالف قیدیوں کو کسی قسم کی رعایت کا مستحق نہیں گردانتی، بلکہ ان پر ہر قسم کا ظلم وستم روا اور جائز سمجھتی ہے۔

اسلام نے عدل وانصاف کے دونوں پلڑے قیدی (خواہ مسلم ہوں یا کافر دونوں) کے لیے برابر رکھے ہیں، چنانچہ جس طرح آپ ﷺ نے مسلمان قیدی کو دشمن کی ظالمانہ قید سے رہا کرانے کا حکم دیا ہے، وہیں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دشمن قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید بھی فرمائی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔'' (الدھر:۸)

ترجمہ: ''اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔''

تفسیرِ عثمانی میں تنبیہ کے عنوان سے مذکور ہے:

''قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر۔'' حدیث میں ہے کہ: ''بدر'' کے قیدیوں کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ

کرے۔ چنانچہ صحابہؓ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے، حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر لفظ ''أسِیْر'' میں ذرا توسع کرلیا جائے، تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہوسکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔''

اسیرانِ بدر کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسنِ سلوک کی تفصیل علامہ شبلی نعمانیؒ رقم فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو تو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ابوعزیز کہتے ہیں کہ مجھے شرم آتی اور میں روٹی انہیں واپس کردیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھے ہی کھلاتے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قیدیوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید فرمائی تھی۔'' (سیرۃ النبی، ص: ۲۳۰، ج: ۱)

سہیل بن عمرو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پُرزور تقریریں کیا کرتا تھا، بدر میں قیدی بنا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس کے نیچے کے دو دانت اُکھڑوا دیجئے، تاکہ اچھی طرح بول نہ سکے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر میں اس کے عضو بگاڑوں تو اگرچہ نبی ہوں، لیکن خدا اس کے بدلے میں میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔'' (طبری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک ہی سے متاثر ہوکر آپ کا بہت بڑا دشمن ثمامہ بن اثال جب آپ کی قید سے رہا ہوا تو ایمان لے آیا اور پھر وہ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کہلائے۔ (سنن ابی داؤد)

ہوازن کے قیدیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے عمدہ کپڑے خرید کر پہنانے کا حکم دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقیؒ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی خاتون اور اس کے بچے کو جدا کرنے والے کے بارے میں وعید ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ روزِ محشر اس کے اور اس کے چاہنے والوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔'' (ترمذی)

حضرت ابواسید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں کچھ قیدیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک قیدی خاتون رو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرا بچہ مجھ سے الگ کرکے بیچ دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ اس کے بچے کو واپس لاؤ، چنانچہ اس عورت کو اس کا بچہ واپس کردیا گیا۔'' (مستدرک حاکم)

اسلام کی ان سنہری ہدایات و روایات کی روشن کرنیں آج بھی جہانِ رنگ و بو میں اُجالا کررہی ہیں۔ ماضی قریب میں افغانستان کے اندر مجاہدینِ اسلام کی قید میں ایک برطانوی خاتون صحافی دس دن رہ کر

جب واپس آئیں تو طالبان کو دہشت گرد، انتہا پسند، جاہل، گنوار، اجڈ، وحشی کے القاب سے یاد کرنے والی مغربی دنیا پر اس وقت سکتہ طاری ہوگیا، جب ''یوان ریڈلی'' نے دورانِ قید طالبان کے حسنِ سلوک اور احترامِ انسانیت کے رویے کی گواہی دی۔ ان کی شرافت و وضع داری اور اخلاقی صفات سے متاثر یہ عیسائی خاتون بعد میں قرآن کریم کے مطالعے کی روشنی میں مزید حقیقت آشنا ہوئی تو اسلام کی نعمت سے بہرہ مند بھی ہوگئی، جب کہ دوسری طرف گوانتا ناموبے میں امریکی فوج کے مسلمان قیدیوں پر دل خراش مظالم کی داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

حال ہی میں فلسطین کے مغربی کنارہ غزہ میں صہیونی قہر و جبر کا شکار اور اپنی آزادی کے لیے لڑنے والے مجاہدینِ اسلام حماس اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا اعلان ہوا تو حماس کی قید سے رہا ہونے والی عورتیں اور بچے ان کی تعریفوں کے پل باندھتے نہیں تھک رہے ہیں۔ ایک خاتون کہتی ہے کہ اس کی بیٹی حماس کی قید میں شہزادیوں کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔ رہا ہونے والے بچوں کے ہاتھوں میں کھانے پینے کی اشیا ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم قید کا یہ وقت بھلا نہیں سکتے۔ ایک اسرائیلی خاتون ''دینیل'' اور اس کی ننھی بچی ''ایمیلیا'' نے حماس کے عسکری ونگ القسام بریگیڈز کے نام عبرانی زبان میں شکریہ کا خط تحریر کیا ہے، جو عالمی میڈیا سمیت قومی اخباروں میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے مندرجات درج ذیل ہیں:

''مجھے لگتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہم ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے، لیکن میں آپ سب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میری بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت کا مظاہرہ کیا، آپ نے اس سے والدین کی طرح سلوک کیا، اسے اپنے کمروں میں بلاتے اور اسے یہ احساس دلایا کہ آپ سب اس کے صرف دوست نہیں، بلکہ محبت کرنے والے بھی ہیں۔ آپ کی شکر گزار ہوں اس سب کے لیے، جب آپ گھنٹوں ہماری دیکھ بھال کرتے، اور ساتھ ساتھ مٹھائیوں، پھلوں اور جو کچھ میسر تھا اس سے ہمیں نوازنے کے لیے شکریہ۔ بچے قید میں رہنا پسند نہیں کرتے، لیکن آپ اور دوسرے ملنے والے اچھے لوگوں کا شکریہ۔ میری بیٹی خود کو غزہ میں ملکہ سمجھتی تھی اور سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ اس دوران مختلف عہدوں پر موجود لوگوں سے واسطہ رہا اور ان سب نے ہم سے محبت، شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا، میں ہمیشہ ان کی شکر گزار رہوں گی، کیونکہ ہم یہاں سے کوئی دکھ لے کر نہیں جارہے، میں سب کو آپ کے حسنِ سلوک کا بتاؤں گی جو غزہ میں مشکل حالات اور نقصان کے باوجود ہم سے کیا۔ اسرائیلی خاتون نے خط کے آخر میں مجاہدین اور ان کے اہلِ خانہ کی صحت اور تندرستی کے لیے دعا کی۔''

اس خط کی سطر سطر ان مجاہدین اسلام کے رویّے کا بیان ہے، جنہیں اسرائیل دہشت گرد قرار دے

کر اُن کی آڑ میں پندرہ ہزار سے زائد مظلوم فلسطینیوں کا قتلِ عام کر چکا ہے۔ یہ بیان گھر کی گواہی ہے، جسے جھٹلا یا نہیں جاسکتا۔ اور درحقیقت یہ اس بات کی بھی شہادت ہے کہ مجاہدینِ اسلام نے جہادِ اسلام کے دوران اُسوۂ نبوی اور شیوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو مکمل مدِنظر رکھا، اور ذرا بھی دشمنانِ اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر انگشت نمائی کا موقع نہیں دیا۔ اس موقع پر تمام مسلمان بھی فلسطینی مجاہدین کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مہمانوں کو دنیا کے سامنے اخلاقی جرأت کے ساتھ سر اُٹھانے کا حوصلہ بخشا۔ حماس کی شجاعت و بسالت، قربانی و جاں نثاری، اسلام کے ساتھ اُن کی وفاداری اور خصوصاً مظلوم مسلمانوں کے حق کے لیے دکھائی گئی اُن کی جرأت و بہادری کو آفرین اور سلام ہے! حماس کے مجاہدین نے اسلام کے اولین دور کی یاد تازہ کر دی، ان شاء اللہ! ان کا کردار تاریخ کے اَن مٹ نقوش بن کر آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔

لیکن جہاں فلسطینی مجاہدین کا یہ قابلِ ستائش اقدام دنیا بھر کے سامنے آیا ہے، وہیں اسرائیل کی جیلوں میں قید فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل کے ظلم وستم اور جور و جفا کی بھیانک اور گھناؤنی تصویر بھی طشت از بام ہوئی ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی کی یکم دسمبر ۲۰۲۳ء کی رپورٹ کے مطابق ۱۸ رسالہ ''محمد نزل''، جنہیں اگست میں بلا جرم اسرائیل نے گرفتار کر کے جیل میں رکھا تھا، ۷ راکتوبر کو حماس کے حملے کے بعد ''محمد نزل'' سمیت کئی فلسطینی قیدیوں کو مارا پیٹا گیا، ان پر کتے چھوڑے گئے، انہیں کپڑوں اور کمبل سے محروم کر دیا گیا، نیز انہیں کھانے سے محروم رکھا گیا۔ ایک خاتون قیدی کو جنسی زیادتی کی دھمکی دی گئی، اس کے کمرے میں آنسو گیس پھینکی گئی، کچھ قیدیوں کے اوپر اسرائیلی فوجیوں نے پیشاب کیا، نیز ان پر چھریوں سے حملے کیے گئے، جس کے بعد گزشتہ سات ہفتوں میں چھ فلسطینی قیدی اسرائیلی تحویل میں جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ حالیہ جنگ بندی کے دوران قیدیوں کے تبادلے میں ''محمد نزل'' رہا کیے گئے تو ان کے طبی معائنے سے معلوم ہوا کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں، جس کی تفصیل انہوں نے بیان کی کہ کئی فوجیوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں بری طرح مارا پیٹا۔ محمد نزل اپنے سر کا بچاؤ ہاتھوں سے کرتے رہے، کچھ دیر بعد انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں اور وہ حرکت کے قابل نہیں رہے۔ رہا ہونے کے بعد ہسپتال میں ان کے ہاتھوں کے ایکسرے کرائے گئے، جس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی۔

یہ ہے اسرائیلی مظالم کی ایک جھلک، جو دنیا کے سامنے انسانی حقوق کا رونا روتے نہیں تھکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حالیہ غزہ کی جنگ کے بعد انسانیت، انسانی حقوق، عالمی برادری، مساوات و برابری، عدل و انصاف جیسے الفاظ بے معنی ہو گئے ہیں۔ اور صاف نظر آرہا ہے کہ اسرائیل اور اس کے پشت پناہ امریکا و برطانیہ سمیت دیگر مغربی ممالک کے ہاں عدل و انصاف کے پیمانے برابر نہیں ہیں۔ نیز بعض مسلم

ممالک کی بے حسی بھی اسلامی اُخوت و بھائی چارگی کے تصور کو غلط ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ بہرحال! اس کے باوصف حماس نے اپنے دشمن قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعے اسلام کی روشن تعلیمات کو ایک بار پھر مجسم کردار کی صورت میں پیش کردیا ہے، جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی و فتح نصیب فرمائے، ظالموں کو نیست و نابود فرمائے اور حق کا بول بالا فرمائے، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

اعلامیہ ''حرمتِ مسجد اقصیٰ کانفرنس'' اسلام آباد

گزشتہ دنوں مؤرخہ ۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ مطابق ۶؍ دسمبر ۲۰۲۳ء کو ''حرمتِ مسجدِ اقصیٰ اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے اسلام آباد کے جناح کنونشن سینٹر میں ایک قومی کنونشن منعقد ہوا، جس میں اہلِ سنت والجماعت دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث کی جملہ تنظیموں اور جماعتوں کی بھرپور نمائندگی تھی۔ اس میں اعلامیہ جاری کیا گیا، ہم اس اجتماع کی دیگر تفصیلات میں جائے بغیر اس اجتماع سے اظہارِ یکجہتی کرتے ہیں، اور ان کے اعلامیہ کی تائید کے لیے اسے بصائر وعبر کا حصہ وتتمہ بنایا جارہا ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سرکردہ علماء کرام، مفتیانِ عظام، زعماء اور دانشورانِ ملت کا یہ متحدہ اجتماع مسجدِ اقصیٰ کی حرمت، فلسطین کے حقوق اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری کے موضوع پر مورخہ ۲۱؍ جمادی الاولیٰ سن ۱۴۴۵ ہجری مطابق ۶؍ دسمبر ۲۰۲۳ء بروز بدھ اسلام آباد کے کنونشن سنٹر میں منعقد ہوا، جس میں پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ علماء کرام اور دانشوروں نے اپنے خطبات و بیانات میں مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور مظلوم فلسطینی بھائیوں کے ساتھ مکمل یک جہتی کا اظہار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعلامیہ پر اتفاق کیا:

❶- اسرائیل اپنے ناجائز قیام کے وقت سے فلسطین کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور خاص طور پر پچھلے دو مہینوں میں اس نے غزہ کے بے گناہ شہریوں اور عورتوں، بچوں پر وحشیانہ بمباری کرکے ان کا قتلِ عام شروع کررکھا ہے۔ اس وقت تک اس مجنونانہ بمباری میں پندرہ ہزار سے زائد فلسطینیوں کو شہید کردیا گیا ہے، جن میں تقریباً ۶؍ ہزار بچے اور ہزاروں خواتین شامل ہیں۔ اس طرح اس

نے بین الاقوامی قوانین کے خلاف جنگی جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے مسجدوں، کلیساؤں اور ہسپتالوں، یہاں تک کہ ان کے خصوصی نگہداشت کے شعبوں کو براہِ راست نشانہ بنایا ہے، جس میں سینکڑوں نومولود بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے، یہاں تک کہ بین الاقوامی صحافیوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اسرائیل کی ان حرکتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں انسانیت کی کوئی رَمق باقی نہیں رہی۔ اس کے ان اقدامات نے بین الاقوامی قوانین کی ایک ایک قدر کو روند کر رکھ دیا ہے اور وہ مغربی طاقتیں جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کی علمبردار کہتی آئی ہیں، یہ خونریز تماشا کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود اسرائیل کی ہمنوائی اور اس کی مالی، عملی اور عسکری امداد کر کے اس کے جرائم میں برابر کی شریک ہیں اور مغربی ممالک کے انصاف پسند عوام اس صورتِ حال پر جو قابلِ تعریف احتجاج کر رہے ہیں، اس کو خاطر میں لانے کے بجائے مسلسل اسرائیل کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ یہ اجتماع اس ظالمانہ بمباری، جنگی جرائم اور اسرائیلی ظلم وستم کی روک تھام اور اس کی ہر قسم کی پشت پناہی کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

❷- پورا فلسطین وہاں کے اصل باشندوں کا ہے اور ان کو بے گھر کر کے مختلف ممالک سے صیہونیوں کی جو بستیاں قائم کی گئی ہیں، وہ سراسر ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہیں اور اہلِ فلسطین کو اس جارحیت کے خلاف ہر طرح کی جدوجہد کا پورا حق حاصل ہے۔ ان بستیوں کا خاتمہ کر کے فلسطین کو اپنی اصلی حالت پر بحال کیا جائے اور مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کا اعلان کیا جائے۔

❸- اسرائیل اور اہلِ فلسطین کے درمیان موجودہ جنگ خالص اسلام کی بنیاد پر ایک عظیم الشان دفاعی جہاد ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کے قبلہ اول اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ معراج کو صیہونی تسلُّط سے آزاد کرانا ہے جس کی ہر ممکن مدد اہلِ اسلام کا دینی فریضہ ہے۔ یہ اجتماع یہ بات بھی واضح کرتا ہے کہ غزہ کا مسئلہ پوری امت کا اجتماعی مسئلہ ہے۔

❹- یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ اہلِ فلسطین کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق بنیادی حقوق دیے جائیں۔ القدس، غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے پر اسرائیل کی طرف سے عسکری مداخلت اور حصار کو ختم کیا جائے، نیز رفح بارڈر مستقل طور پر کھولا جائے۔

❺- فلسطین کے باشندوں کے قتلِ عام بلکہ ان کی نسل کشی کا جو گھناؤنا کھیل اسرائیل نے جاری رکھا ہوا ہے اور جس پر عالمِ اسلام کے ہر مسلمان کا دل بے چین ہے، اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پورا عالمِ اسلام جو انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلا ہوا ہے اور قدرتی اور تزویراتی وسائل سے مالا مال ہے، ایک مضبوط اور

مشترکہ دفاعی موقف اختیار کرے اور اس بات کا ثبوت دے کہ سپریم طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

❻ - اس وقت تمام مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ فلسطین کے باشندوں کی جس طرح ممکن ہو مدد کریں اور فلسطین کے مصیبت زدہ افراد کی غذا، دوا اور علاج کی تمام تر سہولتیں جو اسرائیل کی طرف سے تباہ کردی گئی ہیں، انہیں بحال کرنے کی پوری کوشش کریں۔ حکومتِ پاکستان نے غزہ کے لیے جو امدادی جہاز بھیجے ہیں، وہ قابلِ تعریف ہیں، لیکن ہم حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے بھی اپنے بھائیوں کو امداد پہنچانے کے لیے سہولتیں فراہم کرے۔

❼ - ہم بین الاقوامی قوانین کے ماہرین سے اپیل کرتے ہیں کہ اسرائیل نے اس جنگ کے دوران جن جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے، ان کی بنیاد پر عالمی عدالتِ انصاف میں اس کے سربراہوں کے خلاف مقدمات دائر کریں۔

❽ - ہم مسلمانوں اور تمام انصاف پسند انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف اپنے پرامن مظاہرے دنیا بھر میں جاری رکھیں اور دنیا کو اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں سے باخبر کرکے اس کی غیر انسانی سرشت کو آشکارا کریں۔

❾ - ہم مسلمانوں اور تمام انصاف پسند انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ان میں سے جن کے سفارتی تعلقات اسرائیل سے قائم ہیں، اسرائیل سے اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کریں اور اسرائیلی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں، نیز جن غیر اسرائیلی کمپنیوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اپنی آمدنی یا اس کا کوئی حصہ اسرائیل کی مدد پر خرچ کرتی ہیں ان کی مصنوعات کا بھی مکمل بائیکاٹ کیا جائے، یہ اجتماع اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے والے تاجروں، اداروں اور افراد کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔

❿ - یہ اجتماع ۸ر دسمبر بروز جمعۃ المبارک کو ملک بھر میں یومِ مسجدِ اقصیٰ کے طور پر منانے کا اعلان کرتا ہے اور تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ بھرپور احتجاجی مظاہرے اور ریلیاں نکالیں۔ مساجد میں اسرائیلی مظالم کے خلاف قراردادیں پاس کی جائیں اور مساجد کے ائمہ وخطباء عوام الناس کو قضیۂ فلسطین اور اس کے حوالے سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے آگاہ کریں۔''

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب صاحبزادگان مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲؍ذوالحجہ سنہ ۸۲ھ-۱۶؍مئی سنہ ۶۳ء

مخدومِ محترم، ذو المجد والکرم حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب!

رضي الله عنكم وأرضاكم وزادكم الله شرافةً وكرمًا وصبرًا جميلًا، وزاد مجدَكم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقالِ پُرملال پر ’’صُبّت عليّ مصائب لو أنها ... صبّت على الأيام صرن لياليا‘‘ کے غیر معمولی صدمہ کے موقع پر آں مخدوم کے پُرخلوص تعزیت نامہ نے موصول ہوکر ’’ليعز المسلمين في مصائبهم المصيبة بي‘‘ کی یاددہانی کرکے تسلی بخشی، فلكم الأجر والمنّة، وكساكم الله من حلل الكرامة يوم القيامة، فلنصبر ولنحتسب على ما أرشدنا الله ورسوله صلى الله عليه وسلّم، فإنا لله وإنا إليه راجعون، وإن في الله عزاءً من كل مصيبة، وخلفًا من كلّ هالك، ودركًا من فائت، فبالله نثق، وإياه نرجو۔

دعا فرماویں کہ خداوند تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے، اور ان کے قائم کردہ کارہائے خیر کو جاری رکھے۔ مرحوم کو ذیابیطس کے عارضہ کی وجہ سے چند سالوں سے نقاہت تھی، تاہم بعونہٖ تعالیٰ مدرسہ اور متعلقہ امور کو تاحیات بخوبی انجام دیتے رہے، چار پانچ روز پیٹھ میں قدرے درد کی شکایت رہی، سہ شنبہ (منگل) کے روز ظہر تک مدرسہ کے کاموں میں مشغول رہے، بعد الظہر کمزوری کی وجہ سے کچھ آرام فرمایا، گھر میں چلتے پھرتے رہے۔ مغرب بستر کے قریب ادا فرمائی، اور کچھ شوربا نوش فرمایا۔ عشاء کے لیے خود وضو فرمایا۔ عشاء کے فرض (کے) بعد کچھ چکر آنے پر چند منٹ مصلے پر آرام فرما کر بقیہ نماز ادا فرمائی۔ عشاء (کے) بعد تقریباً دو گھنٹے جاگ کر کچھ بے قراری محسوس ہونے کی شکایت کی، اور پندرہ بیس

منٹ بعد اللہ کو پیارے ہوگئے، نہ کسی کو تیمارداری کی خدمت نصیب ہوئی، اور نہ کچھ تکلیف ہوئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون! اُمید (ہے) کہ دعاء وصدقہ سے ہمیشہ یاد فرماتے رہیں گے، اور خادموں پر شفقت ومحبت کی نظرِ عنایت فرماتے رہیں گے۔ نیز مجلسِ علمی کی ترقی کے لیے دعواتِ صالحہ سے تعاون فرماتے رہیں گے۔ ہم ناتجربہ کاروں کا حضرت سلمہ اپنے مفید مشوروں سے تعاون فرماتے رہیں۔ اُمید ودعاء (ہے) کہ حضرت سلمہ کی واپسی سالماً وغانماً ہوگئی ہو، اللہ تعالیٰ حج وزیارت کو مبرور ومقبول فرمائے۔ اساتذہ کرام کو بعد سلام مسنون، تعزیتِ مسنونہ کے لیے شکر گزاری عرض ہے۔ جملہ متعلقین کو سلام مسنون! والسلام واللہ یحفظکم و یعافیکم، سلامٌ علیکم یا أهل الخیر والبرکة، واللہ یبارك فیکم.

طالبینِ دعاء

ابناء المرحوم مولانا محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

بقلم دعاء کا متمنی: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

پس نوشت: احقر ابراہیم میاں کی طرف سے سلامِ مسنون قبول فرمائیں۔ (ابراہیم)

مولانا احمد بن موسیٰ میاں بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۵ / جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۱ھ - ۹ / جولائی سنہ ۱۹۷۱ء

ذو المجد والکرم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب دامت برکاتکم وعمّت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ودعا (ہے) کہ آں محترم مع متعلقین بعافیت ہوں۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور آپ کی دعاؤں سے میری صحت بحال ہورہی ہے، بفضلہٖ تعالیٰ جمعہ بھی شہر کی جامع مسجد میں ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے، دعا فرمائیں حق سبحانہ وتعالیٰ صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ نورِ چشم عزیزم عبد الرحمٰن سلمہ اللہ کی شادی بفضلہٖ تعالیٰ مورخہ ۲۲ / جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۱ھ بعدِ جمعہ شہر کی جامع مسجد میں مقرر ہوئی ہے، دعا فرمائیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس عقد کو میمون ومبارک طرفین فرمائیں، دعواتِ صالحہ وتوجہاتِ سامیہ کی نیازمندانہ درخواست ہے۔ الحمد للہ بعونہٖ تعالیٰ ''لینس'' مسجد کی بنیاد گزشتہ جمعہ کو محترم مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ (خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) کے دستِ مبارک سے بعد الجمعہ رکھی گئی، کام شروع ہوگیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد مکمل فرمائیں۔ سب برادران وعزیزان بخیر ہیں، سلام مسنون لکھواتے ہیں۔ والسلام، واللہ یحفظکم و یعافیکم.

احقر احمد بن موسیٰ میاں عفا عنہ (بقلم عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہما)

بے مثال وراثت!

خطاب: حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ
سابق مہتمم جامعہ

’’۱۱؍رجب المرجب ۱۴۰۶ھ (مطابق ۲۲؍مارچ ۱۹۸۶ء) صبح گیارہ بجے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس کے موقع پر جامعہ کے اس وقت کے مہتمم اور ماہنامہ ’’بینات‘‘ کے نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مؤثر اور مدلل خطاب فرمایا، جو بعد میں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے کاغذ پر منتقل کرلیا گیا۔ افادۂ عام کی غرض سے قارئین ’’بینات‘‘ کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔‘‘ **(ادارہ)**

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اُسے خوبصورت سانچے میں ڈھالا، ظاہری خوبیوں کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا، اُسے عقل وشعور اور اِدراک کی قوت عطا کی، اپنی مخلوق میں سب سے بہتر اور اشرف قرار دیا، حتیٰ کہ اپنی معصوم مخلوق فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا خلیفہ بنایا اور علم کی دولت سے مالا مال کر کے اس کی برتری ثابت کی، پوری کائنات کو اس کی خدمت پر مامور کردیا اور اس انسان کی جسمانی وروحانی تربیت کا مکمل انتظام کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے، مگر اسی پر اکتفا نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم پر مزید فضل فرمایا کہ ہمیں مسلمان بنایا اور اس اُمت کا فرد بنایا جو سب سے بہتر اُمت ہے، اس سے بھی بڑھ کر یہ کرم فرمایا کہ ہمیں طالب علم بنایا، وہ طالب علم جس کے پاؤں کے نیچے فرشتے پَر بچھاتے ہیں، جس کے لیے ہر مخلوق دعا کرتی ہے، حتیٰ کہ مچھلی پانی میں اور چیونٹی اپنی بل میں اس کے لیے دعا گو ہوتی ہے اور سب سے بڑی نعمت یہ عطا فرمائی کہ حدیث کا طالب علم بنایا، آج آپ کے لیے کس قدر مسرت وخوشی کا دن ہے اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ ’’أصح الکتب بعد کتاب اللہ‘‘ (اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب) بخاری شریف کی آپ نے تکمیل کی، اس کا آخری سبق پڑھا، صرف بخاری ہی نہیں، بلکہ صحاحِ ستہ کے

علاوہ موطا امام مالک، موطا امام محمد اور امام طحاویؒ کی کتاب الآثار بھی پڑھ چکے ہو۔ اللہ پاک نے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث بنادیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’علماء انبیاء کے وارث ہیں۔‘‘ آپ بہت خوش قسمت ہیں، آپ کو کسی حکومت، کسی سرمایہ دار، کسی جاگیردار کی وراثت نہیں ملی، آپ کو شداد، فرعون، نمرود اور قارون کی وراثت نہیں ملی، بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت آپ کے حصہ میں آئی ہے، آج اللہ پاک نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کا تاج آپ کے سروں پر رکھ دیا، وہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد انبیاء علیہم السلام ہی کا درجہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا مقام تو بہت بلند ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو جلا بخشنے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام بھی اس قدر اَرفع اور بلند ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے! ایک مرتبہ کسی نے اپنے وقت کے جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند ہے یا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا؟ آپؒ نے فرمایا: ’’امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس گھوڑے پر سوار ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، اس گھوڑے کی ناک اور نتھنوں میں جو غبار داخل ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے برابر بھی نہیں۔‘‘

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کوئی شاعر نہیں تھے، بلکہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور جید عالم تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اللہ والے، صاحبِ علم اور علم دوست تھے، بڑی خوبیوں کے مالک۔ ان کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کے بے مثال دورِ حکومت کو خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، مگر چونکہ صحابی نہیں تھے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی، اس لیے صحابی کے برابر نہیں ہوسکتے۔ بڑے سے بڑا عالم، شیخِ وقت، قطب وابدال کوئی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت بلند ہے، ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث اللہ نے آپ کو بنایا، آپ کو وراثت میں دولت نہیں ملی، جاگیر نہیں ملی، بلکہ علم کا خزانہ آپ کے ہاتھ آیا ہے اور اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ دنیا کی تمام دولت اور ہر نعمت اس پر قربان کی جاسکتی ہے اور اتنی بڑی نعمت کے مل جانے پر آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے آخر میں جو حدیث ذکر کی: ’’سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم‘‘، جس کی تشریح وتوضیح شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن صاحب مدظلہٗ العالی ابھی فرمارہے تھے اور اسی حدیث پر کتاب ختم ہوئی ہے، یہ حمد کی حدیث ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی

پا کی اور اللہ کی حمد وثنا ہے۔ اس حدیث کو آخر میں بیان کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نعمت کا شکر یہ ادا کیا ہے اور آپ کو بھی شکرِ خداوندی کی ترغیب دی ہے، آپ پر بھی واجب اور ضروری ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچی شخصیت کے مالک تھے، آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے لگائیے کہ چھ لاکھ احادیث کے ذخیرہ سے صحیح احادیث منتخب کر کے یہ کتاب تصنیف فرمائی، حتیٰ کہ اپنے وقت میں احادیث کی صحت وضعف کو پرکھنے کے لیے علماء کی نظر میں آپ ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔

آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے، تشخیصِ مرض کے لیے اطباء کو جب ان کا قارورہ دکھایا تو اطباء نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو ایسے راہب کا قارورہ معلوم ہوتا ہے جس نے عرصۂ دراز سے سالن استعمال نہ کیا ہو۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا، صرف جَو کی سوکھی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حکماء کے اصرار پر صرف یہ منظور کیا کہ جَو کی روٹی کے ساتھ صرف تین بادام استعمال کریں گے، یہی ان کا سالن تھا۔

ان کا علمی مقام اپنی جگہ پر مسلَّم، انہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ علم حاصل کیا، بلکہ اس علم کی لاج بھی رکھی، آج کل اس چیز کی بہت کمی ہے، حالانکہ یہ بہت ضروری ہے کہ جب اللہ نے علم عطا فرمایا ہے تو اس کی لاج بھی رکھے، علم کی عزت کرے، اس کی توہین نہ کرے، اسے بے عزت نہ کرے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے علم بدنام ہو، اس کی تذلیل ہو۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کے ذمے پچیس ہزار درہم تھے اور وہ مسلسل ٹال مٹول کر رہا تھا، دینا ہی نہیں چاہتا تھا، اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔ امام صاحبؒ کے کسی دوست نے مشورہ دیا کہ حاکم وقت آپ کا معتقد ہے، آپ کے متعلقین میں سے ہے، آپ اگر اشارہ بھی کر دیں تو آپ کی یہ رقم وصول ہو جائے گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: وہ میرے علم کی وجہ سے میرا معتقد ہے، میں اپنے علم اور دین کو دنیا کے کسی کام کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتا، نہ اس سے دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حکمرانوں کا حال تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کا کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا بدلہ بھی چاہتے ہیں، آج وہ میرا یہ کام کر دیں گے، کل مجھ سے اپنا کوئی کام لیں گے، دنیا کا کوئی کام میرے سپرد کریں گے اور میں دین کو چھوڑ کر کبھی دنیا اختیار نہیں کر سکتا۔ تو علم کا وقار اور اس کا تحفظ بھی آپ کی ذمہ داری ہے، آپ اس کا وقار بلند کریں، اسے ذلیل ورسوا ہونے نہ دیں۔

جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ: اللہ پاک نے آپ کو عالم بنا دیا، آپ فارغ التحصیل ہو گئے، مگر اس پر غرور نہ کرنا اور یہ نہ سمجھنا کہ ہم تو اب عالم بن گئے، اب علم سیکھنے کی ضرورت نہیں، جس دن یہ خیال ذہن میں آ گیا تو سمجھ لینا کہ یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو ''إمام دار الهجرة'' کے لقب سے مشہور ہیں، آپ اپنے وقت کے مجتہد تھے، ہزاروں آدمی آپ کے

مقلد تھے، خصوصاً مغرب کے لوگ تو اکثر آپ کے مقلد تھے۔ مغرب سے ان کے مقلدین کا ایک وفد چالیس مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے یہ مسائل پوچھے، آپ نے ان میں سے صرف چار مسئلوں کا جواب دیا، باقی چھتیس مسائل کے جواب میں آپ نے ''لا أدري'' (میں نہیں جانتا) فرمایا۔ آج کل تو ایک مرض یہ بھی ہے کہ اپنی علمیَّت اور قابلیت ضرور ظاہر کی جاتی ہے، کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اس کا جواب ضرور دیا جاتا ہے، چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو، اور یہ کہنے میں سبکی محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں اس کا جواب نہیں معلوم، حالانکہ یہ بہت بڑا جہل ہے، بلکہ ڈبل جہل۔ اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دینا چاہیے کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ اعتراف واقرار کرنا بھی ایک طرح کا علم ہے اور ابھی تو آپ کی ابتدا ہے، **ابھی تو آپ میں صرف یہ صلاحیت پیدا ہوئی ہے کہ آپ کتاب سمجھ سکتے ہیں، اس سے مسئلہ معلوم کر سکتے ہیں۔**

جو علم آپ نے حاصل کیا، اس کا مطالبہ اور تقاضا یہ ہے کہ آپ اس پر عمل پیرا ہوں، آپ کے اخلاق بلند ہوں، تکبر وغرور سے آپ دور رہوں، علم' تواضع اور انکساری چاہتا ہے۔ ہمارے اس ادارے کے بانی اور مؤسس محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جن کی شخصیت، جن کے اخلاق، جن کے اخلاص سے آپ واقف ہیں، جنہوں نے کس حال میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی، اسباب و وسائل سے تہی دامن تھے، مگر اخلاص وللّٰہیت اور خدا پر اعتماد کی دولت سے آپ کا دامن لبریز تھا، اسی کو بنیاد بنا کر یہ کام شروع کیا، کس حال میں شروع کیا تھا اور کس طرح اللہ نے کامیابیوں سے نوازا، یہ سب آپ کے سامنے ہے، میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ یہی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے ہاتھ سے آپ کے یہ بیت الخلاء صاف کیا کرتے تھے، اسی قسم کا ایک واقعہ آپ کے شیخ الشیخ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، ہر طرح کے لوگ اس میں سوار تھے، مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی، ایک ہندو جو آپ کے برابر میں ہی بیٹھا ہوا تھا، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء گیا، مگر ناک بھوں چڑھاتا ہوا واپس آ گیا کہ وہ تو بہت گندہ استعمال کے قابل نہیں، تھوڑی دیر میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے اُٹھے اور جا کر اپنے ہاتھوں سے اس طرح صاف کر دیا، کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں غلاظت کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور اس ہندو سے کہا: آپ کو تقاضا تھا، آپ چلے جایئے، اس نے کہا: نہیں، وہ تو بہت گندہ ہے، آپ نے فرمایا: نہیں، وہ تو بالکل صاف ہے، میں ابھی ہو کر آیا ہوں، جب وہ ہندو وہاں گیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا اور سمجھ گیا کہ اسی شخص نے یہ صاف کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن آیا تو وہ ہندو اُتر کر دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا اور کہنے لگا: اگر تھوڑی دیر میں اور اُن کے پاس بیٹھتا تو مسلمان ہو جاتا۔ یہ تھے ہمارے اکابر اور بزرگ جو اس قدر بلند اخلاق کے مالک تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جب ہم ان کے نام لیوا ہیں تو ان کے سے اخلاق بھی اپنے اندر

پیدا کریں، تواضع اور انکساری اختیار کریں، تکبر اور اکڑ سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ انسان کی ذلت ورسوائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہمارے اکابر کو جو بلند مقام حاصل ہوا وہ اسی تواضع اور اخلاقِ عالیہ کی بدولت۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اُسے بلند کرتا ہے۔''

فارغ ہونے کے بعد ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ معاش کا سامنے آتا ہے اور ہر ایک یہ سوچتا ہے کہ میں کھاؤں گا کہاں سے؟ اس سلسلہ میں ظاہری اسباب کے طور پر ہر ایک کو باعزت ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں معاش کا مسئلہ بھی حل ہو اور علم کا وقار بھی بحال رہے، دین کی خدمت بھی ہوتی رہے۔ اس بارے میں ایک واقعہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں:

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے صاحبِ دل اور مجذوب تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ایک دن کلاس میں آئے یہ کہتے ہوئے: ''منوا کر چھوڑا، منوا کر چھوڑا۔'' پوچھا گیا: حضرت! کیا منوا کر چھوڑا؟ اور کس سے منوایا؟ فرمایا: ''میں ایک عرصہ سے یہ دعا کرتا رہا کہ: ''اے اللہ! جو بھی اس دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو اُسے معاشی لحاظ سے کبھی تنگی میں مبتلا نہ کر، یہ دعا میں ہمیشہ کرتا رہا، مگر آج تو اللہ پاک سے منوا کر ہی چھوڑا، آج اللہ نے میری دعا قبول فرمالی۔''

ہمارا بھی اسی دارالعلوم دیوبند سے تعلق ہے، اور یہ بھی بتادوں کہ ہمارے حضرتؒ نے بھی اس ادارے، اس میں پڑھنے والے، اس کے متعلقین اور اس کے معاونین اور اس کے مخلصین سب کے لیے اس قدر دعائیں کی ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں اور بس دیکھتا ہوں کہ آج جہاں کہیں بھی اس ادارے کے فضلاء دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں دنیا کے لحاظ سے کبھی تنگی نہیں ہوئی۔ آپ بھی یہ عزم کر لیجئے کہ ہم دین کی خدمت کریں گے تو ان شاء اللہ! کبھی آپ کو تنگی نہیں ہوگی۔ ہم نے بہت سے ایسے ساتھیوں کو دیکھا ہے جن کی علمی استعداد بہت کم تھی، مگر جب وہ اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان سے دین کی خدمت بھی لے رہا ہے اور دنیا کے اعتبار سے بھی وہ اچھی حالت میں ہیں۔

طالبِ علم اور اس کے فضلاء تو تنگی میں کیوں کر مبتلا ہوں گے؟! اس کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو اللہ نے بے انتہا نوازا۔ جامعہ کے مخلصین میں سے ایک حضرت کے پاس آکر بار بار یہ کہتے تھے کہ: ''اس مدرسہ کی خدمت کی برکت سے اللہ نے مجھے بہت دیا۔'' اور حضرت اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ: ''اللہ نے اسے اس قدر نوازا ہے کہ یہ ضبط نہیں کر پا رہا اور اس کا اظہار کرنے پر مجبور ہے۔''

آپ بھی معاشی مسئلہ سے پریشان نہ ہوں، دین کے سپاہی بن جائیں اور دین کی خدمت کا عزمِ مصمم کرلیں تو یہ سب مسئلے حل ہوجائیں گے۔

حدیث پڑھنے والوں کے لیے تو بشارتیں ہیں، ان کے لیے حضور اکرم ﷺ نے دعائیں فرمائی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اس کو یاد کیا اور پھر جیسے سنا تھا اسی طرح دوسروں کو پہنچا دیا۔''

حضور اکرم ﷺ کے الفاظِ قدسیہ جو یاد کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں، ان کے لیے آپ ﷺ کی یہ دعا ہے اور یہ بہت بڑا اشرف ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے پیغمبر! آپ کے خلفاء کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: جو میری احادیث یاد کرتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔''

علمِ دین حاصل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو علم کے راستہ پر چلتے ہیں اللہ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔'' اس بشارت میں جس طرح علمِ دین حاصل کرنے والے داخل ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی داخل ہیں جو حصولِ علم کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کی اعانت کرتے ہیں۔

ایک بہت بڑا انعام آپ پر یہ ہوا کہ آپ کو ''سندِ حدیث'' مل گئی۔ ''سندِ حدیث'' کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کا اتصال ہو گیا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کا جوڑ قائم ہو گیا، کیونکہ ہم نے یہ علم اپنے اساتذہ سے حاصل کیا، ہمارے اساتذہ نے اپنے اساتذہ سے، اسی طرح سلسلہ درسلسلہ ہر ایک نے اپنے اساتذہ سے یہ علم حاصل کیا، تبع تابعینؒ نے تابعینؒ سے، تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ سے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے یہ علم سکھایا، تو اللہ پاک عطا کرنے والے ہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

یاد رکھو کہ جب تک کوئی یہ علم دین کسی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کر کے نہیں سیکھے گا، کسی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کر کے اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوگا، اس وقت تک نہ یہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے، نہ اس کی برکات وفیوضات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ صرف مطالعہ کرنے اور تراجم پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو ایسا کرتا ہے وہ ضلالت وگمراہی میں جا پڑتا ہے، اس علم سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے وہ نقصان اُٹھاتا ہے اور بغیر کسی استاذ کے حاصل کیا جانے والا علم بسا اوقات الحاد وزندقہ کا سبب بنتا ہے۔

یہ ان مدارس کی برکت ہے کہ وہ اس طرح حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جوڑ قائم کرتے ہیں اور وہ علم عطا کرتے ہیں جو ہدایت ورہنمائی کا سبب بنتا ہے، جس سے دنیا اور آخرت دونوں سنورتی ہیں، ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے یہ دینی مدارس جو شاخیں ہیں دارالعلوم دیوبند کی، یہ اسلام کے قلعے ہیں، جو دینِ اسلام اور ایمان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ باطل قوتوں کا مقابلہ کیا جائے اور لوگوں کے دین وایمان کی حفاظت کی جائے۔ اور میں یہ کہوں تو

مبالغہ نہ ہوگا: آج ہمیں جوکلمہ ''لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله'' پڑھنا نصیب ہوا ہے اور ہم مومن ہیں، یہ سب ان دینی مدارس کی برکت ہے۔ اگر یہ دینی مدارس نہ ہوتے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ آج جہاں کہیں بھی اسلام کی کرن نظر آتی ہے وہ سب ان مدارسِ دینیہ کی رہینِ منت ہے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا، میں بھی اس کی تائید کروں گا کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیجئے، ان سے بیعت ہوجایئے، آج کل یہ بہت ضروری ہے۔ ہمارے حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: آج کل بیعت کرنا اور کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھنا فرضِ عین ہے، کیونکہ سب سے بڑا فرض ایمان ہے، اس کی حفاظت اللہ والے کی صحبت اختیار کیے بغیر ممکن نہیں۔ یہ اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس سے انسان اللہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اللہ والے کی صحبت میں بیٹھ کر انسان بہت جلد وہ منازل طے کرلیتا ہے جو سو سال عبادت سے بھی طے نہیں کرسکتا، اسی لیے کہا گیا ہے: ''کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک ساعت بیٹھنا سو سالہ مقبول اور بغیر دکھاوے کی عبادت سے بہتر ہے۔'' تو آپ بھی کسی اللہ والے کا (جسے آپ مناسب سمجھیں، جس کی طرف آپ کا رجحان ہو) انتخاب کرکے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔

اور حضرت مفتی صاحب کی اس بات کی بھی تائید کروں گا کہ اصلاح کا ایک بہترین ذریعہ ''تبلیغی جماعت'' بھی ہے، آج روئے زمین پر یہ سب سے بہتر جماعت ہے، اس سے بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ یہ ہمارا، آپ کا، سب کا مشاہدہ ہے، تو اس میں بھی آپ وقت لگایئے۔

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ آج تک آپ اس مدرسہ کی چاردیواری تک محدود تھے، اب آپ عملی میدان میں قدم رکھیں گے، آپ کو طرح طرح کے فتنوں سے واسطہ پڑے گا، کہیں قادیانیت کا فتنہ ہے، کہیں روافض کا فتنہ، کہیں انکارِ حدیث کا فتنہ ہے اور بہت سے نئے نئے طرح طرح کے فتنے ہیں، میں آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ عملی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ان فتنوں کے خلاف ہر طرح سے مسلح ہوں، ایسا نہ ہو کہ کسی ملحد سے آپ کا واسطہ پڑے اور آپ خالی ہاتھ ہوں، اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگیں، اس سے پہلے ہی آپ ہر طرح سے مسلح ہوجائیں اور ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

بخاری شریف کا ختم ہوا ہے، بڑی مبارک مجلس ہے، اس موقع پر بھی اور اس کے علاوہ بھی آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں اپنے لیے، اپنے عزیز و اقارب کے لیے، اپنے اساتذہ کے لیے اور خصوصاً حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور اس ادارے کے لیے، اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا اور اس ادارے اور اپنے اساتذہ سے تعلق بھی برقرار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر میدان میں کامیاب کرے، آپ کو دین کا سپاہی بنائے، اور آپ سے دین کی خدمت لے، اور ہر موقع پر آپ کی دستگیری فرمائے۔ آمین

سیرتِ سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسیاتِ مدنیہ کے کچھ پہلو

خطاب: ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری

مورخہ ۹/ مارچ ۲۰۲۳ء بروز جمعرات ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری صاحب زید مجدہٗ (حفید حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ و نائب رئیس جامعہ) نے ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ’’Political Life‘‘ (سیاسی زندگی) کے موضوع پر ’’Institute Of Business Managment‘‘ (انسٹیٹیوٹ آف بزنس مینجمنٹ) میں طلبہ سے خطاب کیا، جسے تخصصِ علومِ حدیث کے طالب علم مولوی محمد طیب حنیف نے ریکارڈنگ سے زیبِ قرطاس کیا ہے، یہاں اُسے افادۂ عام کے لیے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ **(ادارہ)**

محترم عزیز طلبہ! اس گئے گزرے دور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور ان کی سیرت کا بیان ایک ایسا دلنشین موضوع ہے کہ اس حوالہ سے جس زمان و مکان کا انتخاب ہو وہ تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص علم وعمل میں مہمیز کا باعث بنتا ہے، شاعر نے اسے ایک حسین پیرایہ میں الفاظ کا روپ دیا ہے:

شامِ شہرِ ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے
تو یاد آکر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے

(منیر نیازی)

عصرِ حاضر میں سیاسی و معاشی اعتبار سے امتِ مسلمہ مختلف مسائل و مشکلات کا شکار ہے، اس اعتراف میں باک نہیں کہ عملی طور پر آج ہم اگرچہ حق تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ معیار پر پورا اُترتے دکھائی نہیں دیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے معنون یہ محافل ومجالس مسلمانوں کی دین و ایمان اور محبتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا بہترین ولازوال نمونہ ہیں، چنانچہ سوسائٹی کے وہ افراد واقعتاً خوش قسمت ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہیں، یوں C.B.M کی

ایڈمنسٹریشن اور ڈائیلاگ سوسائٹی کے کارکردگان اور موجود تمام ’’Audience‘‘ (سامعین) اللہ تبارک و تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے موجب ہیں جنہوں نے اس محاضرہ (Lecture) کا اہتمام کیا ہے۔

سیرت کا اعجاز

آپ ﷺ کا ذکر اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہمارے حوصلوں کی بلندی کا سبب بنتا ہے، لیکن دوسری جانب سیرتِ طیبہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ ایک بڑی مشکل درپیش ہوتی ہے کہ اس کا مکمل احاطہ کیسے کیا جائے؟! اور کس طرح آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو مخاطبین کے سامنے پیش کیا جائے؟! جب صدیقۂ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی سیرت و شمائل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں فرمایا: ’’كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ‘‘ (1) یعنی ’’آپ ﷺ کی زندگی کا سارا بیان قرآن ہے۔‘‘ گویا جو قرآن مجید میں ہے آپ ﷺ اس کا عملی نمونہ تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس روایت سے ایک دلچسپ استنباط کیا کرتے تھے کہ: ’’جب آپ ﷺ کی سیرت قرآن پاک ہے اور اللہ رب العزت کی قادرِ مطلق ذات اسے ۲۳ سالہ طویل عرصہ میں بیان کر رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایک نشست میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکے؟! مگر ذکرِ مصطفی ﷺ کا یہ اعجاز ہے کہ اگر اس کے چند پہلوؤں کا تذکرہ بھی خلوصِ نیت سے کیا جائے تو وہ اس قدر روشنی فراہم کر دیتا ہے کہ ظلمت و تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ اسی بات کے پیشِ نظر مجھے آپ ﷺ کی ’’Political Life‘‘ (سیاسی زندگی) پر چند نکات آپ کے سامنے عرض کرنے ہیں۔

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت

یہ بات ہم سب کی عقیدت نہیں، بلکہ ہمارا عقیدہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ایک جامعیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ آپ کی زندگی میں ہمیں زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق بڑی تفصیلی ہدایات و رہنمائی فراہم ہوتی ہے، جہاں آپ ﷺ نے بااُصول کامیاب تجارت فرمائی، وہیں ایک مثالی شوہر ہونے کا کردار بھی ادا کیا، تعلیم و تعلم میں آپ کے قائم کردہ معیارات باکمال تھے، وہیں ریاست کے انتظامی امور میں آپ کا مثیل نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی مدبرانہ سیاست

اسی طرح آپ ﷺ کا ’’Political Behavior‘‘ (سیاسی طرزِ عمل) اور اس کے موافق

تدابیر کا منصفانہ جائزہ لینے والے آج بھی منکرینِ دینِ اسلام تک متحیر نظر آتے ہیں۔ غور کیجیے! آپ ﷺ نے جب دعوتِ دین کا آغاز کرتے ہوئے کوہِ صفا پر لوگوں کو مخاطب کیا تو آپ ایک تنہا فرد تھے، ۱۳ر سال آپ نے مکہ میں معاندینِ اسلام کے درمیان بسر کیے، اس عرصہ میں آپ کسی بھی ''Political Activism'' (سیاسی سرگرمی) کا حصہ نہ بنے، بلکہ فقط مخلصانہ وداعیانہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام کا پیغامِ جانفزا سنایا، اس کے بعد مدینہ میں محض دس سال ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے حکومت فرمائی، لیکن ایک تنہا فرد سے جس دعوت کا آغاز ہوا جب تیئیس سال کے عرصہ کے بعد آپ کی رحلت ہوئی تو آپ کی سیاست کا کمال دیکھیے کہ کہ موجودہ یورپ کے برابر پورا سرزمینِ عرب کا خطہ آپ کی قلمرو میں اطاعت گزیں ہو چکا تھا۔ یہ حقیقت' عقیدت پسندی سے قطع نظر ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ پھر اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ ہی سالوں میں اس زمانے میں قائم شدہ دو بڑی طاقتور سلطنتوں: ''Roman Empire'' (قیصر) اور ''Persian Empire'' (کسریٰ) کو صفحۂ ہستی سے ختم کردیا۔ اور آپ ﷺ کی قائم کردہ حکومت صرف ۵۰ سے ۶۰ سال کے دورانیہ میں تین ''Continent'' (براعظم) میں پھیل گئی۔

اعداء کی گواہی

نائن الیون ہمارے زمانہ کا ایک بڑا واقعہ ہے، اس سے متعلق امریکا کی جانب سے سرکاری سطح پر تفتیشی رپورٹ شائع کی گئی، اس میں واضح طور پر یہ کہا گیا: '' آپ ﷺ کی سیاسی کامیابی ایک ''Miricle'' (معجزہ) معلوم ہوتی ہے۔'' اس رپورٹ کے تمام اجزاء سے اتفاق نہ ہونے کے باوجود اس قدر بات قابلِ غور ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی امریکا جیسی طاقتور حکومتیں سرکاری سطح پر آپ ﷺ کی سیاسی کامیابیوں کو معجزہ گردانتی ہیں۔

اَنمٹ نقوش

ایک اور پہلو کی سیاست جو آپ ﷺ کے سیاسی طرزِ عمل کا بڑا متاثر کن پہلو ہے، وہ یہ کہ تاریخ میں سیاسی کامیابیوں کی بڑی طویل تاریخ ہے، کئی سلطنتیں منصۂ شہود پہ آئیں، فاتحینِ عالم کی داستانوں کی بھی کمی نہیں رہی، اسی طرح مختلف سیاسی فلسفوں نے کئی خطوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا، لیکن ان میں کوئی پائداری ہمیں نظر نہیں آتی، وقت نے دھیرے دھیرے اس کے سارے نقش مدہم کردیے، ہم میں سے ہر دوسرا شخص ''سکندرِ اعظم'' کے نام سے واقف ہے، جس کے مختلف مفتوحہ علاقوں میں ہمارے موجودہ پنجاب کا بڑا حصہ بھی شامل رہا، یہاں تک کہ ہمارے شہر کراچی کے پورٹ سے حیدرآباد تک اس کے فاتحانہ سفر کا

تذکرہ ملتا ہے۔ (۲)

لیکن اس سب کے باوجود اس کی ’’Glory‘‘ (شان وشوکت) طویل عرصہ باقی نہ رہی، اس کے مفتوحہ علاقے کی وسعت سمٹتے سمٹتے اب یورپ کے ایک مختصر ملک ’’Greece‘‘ (یونان) تک محدود رہ گئی۔

’’Roman Empire‘‘ (رومن امپائر) کا بڑا تذکرہ سننے کو ملتا ہے، جس میں رائج ’’Law‘‘ (قانونِ مملکت) کی بازگشت آج بھی ’’legal fraternity‘‘ (قانونی حلقوں) میں سنائی دیتی ہے، مغرب کے زیرِ اثر ترویج پانے والے مختلف علوم وفنون میں رومن اِمپائر کے اثرات کو کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے، مگر وہ ساری سلطنت اب قصہٴ پارینہ ہے، آج صحیح معنوں میں اس کے ریاستی تسلسل کا مصداق صرف ایک چھوٹا ملک اٹلی (Italy) رہ گیا ہے۔ بقیہ زیرِ نگین علاقوں میں اس کے اثرات ملنا مشکل ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاستِ مدنیہ کا کمال دیکھیے کہ سوائے اندلس ’’Spain‘‘ (اسپین) جہاں عیسائیوں کی بدترین ’’Persecution‘‘ (تعذیب) کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا، اس کے علاوہ دیگر تمام علاقے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیے، وہ آج تک مسلمانوں کی سیاسی اَبتری کے باوجود دینِ اسلام کے حلقہ بگوشوں پر مشتمل ہیں، جن میں عراق، ایران اور قدیم ’’Roman Empire‘‘ (رومی سلطنت) کے بعض علاقے سرِفہرست ہیں۔ برِصغیر کی حد تک یہ بات درست ہے کہ اس پورے خطے میں علی الاطلاق مسلمانوں کی حکومت باقی نہ رہ سکی، لیکن پاکستان کی صورت ایک ایٹمی طاقت کا حامل ملک یہاں وجود پذیر ہوا، پھر بنگلہ دیش بھی اپنی تمام تر ریاستی درفنطنیوں کے باوجود مسلمانوں کا ملک ہے، اور موجودہ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کا اثر ورسوخ موجود ہے، جن کی سیاسی اثر پذیری بھی قابلِ انکار نہیں، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کے معجزات ہیں۔

تاریخ کی سب سے بااثر شخصیت

ہمارے عصری جامعات میں عام طور پر ’’Michael.H.Heart‘‘ (مائکل ایچ ہارٹ) کی کتاب ’’THE 100 A RANKING OF THE MOST INFLUENTIAL PERSONS IN HISTORY‘‘ سے اکثر واقف ہوتے ہیں، اس کتاب میں اس امریکی مصنف نے ایسے سو لوگوں کی فہرست تحریر کی ہے جو اس کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ پر اثر ہیں اور ان کی وجہ سے تاریخ کا دھارا تبدیل ہوگیا، اس نے اپنی فہرست کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، اس نے خود اپنی کتاب میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ’’میں آپ کو پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اس فہرست میں اول ترین

درجہ پر نہیں رکھتا، بلکہ واقعتاً تاریخی لحاظ سے آپ کی ذات کو عظیم تر سمجھتا ہوں۔‘‘(۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی سے اُمت کا علمی اعتناء

یہ چونکہ میرا P.H.D کا بھی موضوع رہا ہے، اس بنا پر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہوں کہ اس صدی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی طرزِ زندگی کے حوالہ سے مسلمانوں میں جتنی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں، شاید ہی کسی اور موضوع پر اس انداز سے قلم اُٹھایا گیا ہو۔ ہمارے مسلمانوں میں مختلف ’’School of Thought‘‘ (مکاتبِ فکر) سے تعلق رکھنے والے ایسے گروہوں نے جنم لیا جنھوں نے اس حقیقت کے بیان کو مقصدِ زندگی بنایا کہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی بہترین ’’Interpretation Reflection‘‘ (ترجمانی وعکاسی) پیش کی جائے، جس سے اخذ کردہ اصولوں کو بنیاد بناتے ہوئے مسلمانوں کی سیاسی زندگی کو حتی المقدور منظم کیا جاسکے۔ اسی کا بظاہر نتیجہ ہوا کہ ایک ۱۹۲۳ء کا وہ دور تھا جس میں بظاہر کسی بھی علاقہ میں مسلمانوں کی حکمرانی باقی نہ رہ سکی، مگر چند ہی عشروں میں ۶۰ ر کے قریب اسلامی ممالک معرضِ وجود میں آئے۔ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اگر چہ یہ اسلامی ممالک ’’Economic‘‘ (معاشی) ’’Political‘‘ (سیاسی) اور ’’Defencive‘‘ (دفاعی) لحاظ سے طاقتور ممالک کی فہرست میں مکمل طور پر شمار نہیں کیے جاتے، لیکن آج وہ اتنی طاقت کے ضرور حامل ہیں اگر وہ سیاسی جرأت سے کام لیں تو ان کی منشا کے بغیر کوئی فیصلہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست وحکمرانی کا معجزہ ہے، جو ۱۴ صدیوں بعد بھی جلوہ فگن ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی کردار کی ہمہ گیری کا پہلو یہ بھی ہے کہ کورچشم آج تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے جس حصہ پر سب سے زیادہ معترض ہیں، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسیات ہے، کئی عصری مباحث کا پس منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی تعلیمات رہی ہیں: جہاد کی حقیقت، اسلامی ریاست میں ’’Minority right‘‘ (اقلیتوں کے حقوق)، ’’Democracy‘‘ (جمہوریت) کا جواز یا عدمِ جواز، وغیرہ وغیرہ، وہ تحقیق طلب موضوعات ہیں جن کا آج اکیڈمک طور پر ہمیں سامنا ہے۔ اس مختصر سی نشست میں ان تمام علمی موضوعات پر تفصیلی گفتگو تو ممکن نہیں ہے، لیکن بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی سے حاصل ہونے والے بعض اسباق کا یہاں ذکر کیا جانا ہمارے لیے ان شاء اللہ قابلِ استفادہ ہوگا۔

سیاست کی حقیقت اور معاشرے کے آلودہ اثرات

سب سے پہلے تو یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ’’Politics‘‘ (سیاست) کو ہمارے ہاں عوامی

سطح پر نہایت متہم کر دیا گیا، ایک طرف مخصوص حلقوں کی جانب سے سیاست دانوں کی ایسی بھیانک تصویر کشی کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاستدان پیش کرنا آپ کی تقدیس کے منافی نظر آتا ہے۔ دوسری جانب سیاست کی منزل اور راستہ دونوں اقتدار اور طاقت سے تکمیل پاتے ہیں، ''Power Dynamics'' (طاقت کی حرکیات) کے کچھ اپنے تقاضے ہیں جن کو ''Moral Principles'' (اخلاقی بنیادوں) پر اُستوار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اس بنا پر سیاست اور اسلام کا ملاپ معرضِ بحث بن جاتا ہے، مگر یاد رکھیے کہ ''سیاست'' کی اَساس انسانوں کے اجتماعی نظم ونسق کی بہتری اور کمزوروں کی فلاح وبہبود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سابق اُمتوں میں پیغمبر یہ کام سرانجام دیتے آئے ہیں، لیکن یہاں امر بھی بالکل واضح رہنا چاہیے کہ پیغمبر اپنی حقیقت کے اعتبار سے سیاسی لیڈر نہیں ہوتا، بلکہ وہ اللہ کے اَزلی وسرمدی کا پیام کا داعی ہوتا ہے، کسی دینی ضرورت کی انجام دہی کے لیے وہ سیاست کے میدان میں قدم رکھتا ہے، لیکن اس کی تعلیمات کے اغراض ومقاصد سیاست کے تنگنائے میں محدود نہیں ہوتے، دینی تعلیمات کا محور سیاسی کامیابیاں قرار دینا بجائے خود ایک فکری مغالطہ ہے۔

سیاست کا اصل اسلامی مقام یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کو موقع وقدرت سے نوازا جائے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ سیاسی وریاستی احکامات پر عمل کرنے کے وہ پابند ہوں گے۔ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ'' (۴)

''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔''

(بیان القرآن)

تو ''اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ'' (اگر حکومت دیں) کی قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے کے بعد اگلے احکامات کی بجا آوری کے مسلمان مکلف ہیں۔ اب مختصراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کردہ سیاسی تعلیمات سے مستفید چند نکات پیش خدمت ہیں:

اسلام کا سیاسی نظریہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی نظریہ وفکر کی نمائندہ تعبیر خلافت ہے، پھر خود خلافت کی تشریح وتوضیح میں رقم کیا

جانے والا مواد گراں بار کر دینے والا اور اَدق تفصیلات پر مشتمل ہے۔ تفصیلات میں جائے بغیر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ خلافت کے نظریے کا حاصل و مستفاد یہ ہے کہ مسلمان حکمران اور سیاست میں شامل دیگر کار پردازان خود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا نائب اور اس کے نتیجے میں خود کو اس کے سامنے جواب دہ سمجھیں، لہٰذا تمام شہری حقوق کی حقیقی علت اسلامی تعلیمات کے پس منظر میں یہ ہے کہ ہم چونکہ خدا کے بندے ہیں، تو ہمارے حکمران خدا کی بندگی کے احساس کے ساتھ خدا کے بندوں کے ساتھ تمام ریاستی معاملات سرانجام دیں، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا کہ وہ عہدہ ومناصب کی تقسیم کرتے وقت اہلیت وقابلیت کو معیار بنائیں تو وہاں بھی پس منظر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اُستوار عقد کو بنایا گیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا۔‘‘(۵)

’’بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔‘‘

خلافتِ اسلامیہ کا مستفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو ان کا نائب حکمران بھی انصاف پسند ہوگا۔ اللہ رب العزت اپنی مخلوق پر رحم فرمانے والے ہیں، تو ہمارا حکمران بھی رحم وشفقت کا پیکر ہوگا، چونکہ حاکم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بادشاہت کو زمینی سلطنت میں تبدیل کرے گا۔ اس کا دل‘ مشکاۃِ نبوت سے روشنی حاصل کرنے والا اور براہِ راست عوام کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ اسی کا اثر تھا کہ تاریخِ اسلامی میں رعایا کا ایک ادنیٰ فرد بھی کھڑے ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھ سکتا تھا کہ آپ کے لباس میں چادر کا اضافہ کیوں کر ہوا؟ (۶)

اسلام اور جمہوریت

یہاں ایک پرخطر بحث کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لوگ دو انتہاؤں کا شکار ہو کر جمہوریت اور خلافت کی باہم رسہ کشی کے خوگر ہو چکے ہیں، دونوں کی اَساس میں کئی بنیادی فروق کے باوجود دنوں کے درمیان قومی فلاح و بہبود اور عوامی جواب دہی کی صورت میں اشتراک کی کئی صورتیں بھی موجود ہیں، طبقاتی تقسیم کے باعث کمزوروں کی حقوق تلفی سے نجات دونوں کا مطمحِ نظر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

’’تم سے پہلے کے لوگوں کو بھی اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کا کوئی کمزور وضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد

قائم کردیتے، یاد رکھو، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''(۷)

جس زمانہ میں بادشاہوں کو خدا کا سایہ و اَوتار تصور کیا جاتا تھا، ایسے دور میں حکمرانوں میں یہ احساس پیدا کرنا کہ وہ خدا کے بندے ہیں، اور ان پر لازم ہے کہ وہ جوابدہی کے احساس سے جییں، یہ اقدام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کردہ ایک انقلاب تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی نظریے سے حاصل ہوا۔ اقبالؒ نے اس کو اپنی نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ میں کہا ہے:

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

تدریج کی حکمت عملی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی میں سب سے نمایاں چیز یہ رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامات ایک خاص تدریج سے نافذ فرمائے، ہمارے ہاں عام لوگ انقلاب پسند ہوتے ہیں، اور چند دن میں تبدیلی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز و روش کو قطعاً پسند نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''اگر شراب کی حرمت پہلے آتی اور آپ اس کو نافذ کردیتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جاںنثاروں کے لیے بھی اس پورے عمل کو قبول کرنا آسان نہیں ہوتا۔''(۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت سے متعلق قرآن مجید میں وارد حق تعالیٰ شانہ کے حکم کی روشنی میں تدریجی عمل کو اپنایا، لہٰذا سیاسی میدان سے وابستہ اور دلچسپی رکھنے والوں کے واسطے سب سے بنیادی و اہم ترین نکتہ کسی عمل کو تدریجاً رفتہ رفتہ پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس بات کو کمال تصور کیا جاتا ہے کہ منصب پر فائز ہوتے ہی یکلخت فیصلے جاری کردیے جائیں، حالانکہ یہ بھیانک روش ہے۔ اس حوالہ سے سیرت کا پیغام یہی ہے کہ تمام صورت حال کو دیکھ کر رفتہ رفتہ تنفیذ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

منزل ہی نہیں انتخاب کردہ راستہ بھی اہم ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا واضح فیصلہ ہے کہ کسی ایسے سیاسی نظریہ کا کوئی جواز نہیں جہاں آپ نتائج کے حصول کے لیے ناجائز ذریعوں کو بروئے کار لائیں۔

''ends justify the means'' (اہداف کا حصول کسی بھی ذرائع کو جائز قرار دے دیتا

ہے) کی گنجائش اسلام میں بہرکیف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الفتح میں بڑی وضاحت سے نقشہ گری کی گئی کہ فتح مکہ جیسی کامیابی کا حصول مسلمانوں کے لیے روا نہیں ہے اگر وہ تقوے کی پابندی سے خود کو مبرا سمجھیں، کیونکہ فریقِ مخالف کی زیادتیاں اور ناانصافیاں مسلمانوں کے لیے ناجائز کو جائز نہیں بناتیں، اس حوالہ سے قرآن مجید کہتا ہے:

''وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔''(۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی ملت پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس کے اہل ہیں۔''

یہ دورِ جاہلیت کا نعرہ ہے کہ فریقِ مخالف کی ناانصافی کو اپنے واسطے حجت بنا کر پیش کیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرزِ سیاست کا ایک زریں اصول یہ بھی ہے کہ خواہ مسلمانوں کو جنگ میں شکست سے دوچار ہونا پڑے یا فریقِ مخالف سے صلح جوئی اختیار کرنی پڑ جائے تو اس کو قبول کرلیں، مگر محض اس بات کو بنیاد ٹھہراتے ہوئے کسی پر اپنا تسلُّط جمانا کہ ''Everything is fair in love & war'' (محبت وجنگ میں سب جائز ہے)، یہ اسلامی روایات واقدار کے موافق نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''الحرب خدعة'' (جنگ دھوکہ دہی سے تعبیر ہے) کا درست مفہوم یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ جنگ اخلاقی اصول وضوابط کے مطابق شروع کردی جائے تو اب گنجائش ہے کہ مخالفین کو زک لیے کوئی چال چلی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب جنگ شروع ہوجائے تو کوئی بھی فریق دوسرے کو اس بات پر مطلع ہونے نہیں دیتا کہ مخالفین پر حملہ کب کرنا ہے؟ دن کے اُجالے میں یا شب خون مارنا ہے؟ مگر جنگ کی بنیاد اخلاقی تقاضوں کی رعایت کے موافق ہونی چاہیے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح وکامرانی میں سب سے بڑا کردار اخلاقی اَقدار کا رہا ہے۔

پروپیگنڈہ ''اسلام بزورِ شمشیر پھیلا'' کی حقیقت

آج تک لوگوں کے ذہنوں کو اس مغالطہ کا شکار کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزورِ شمشیر چار دانگ عالم میں فتح وکامرانی کے پھریرے لہرائے، لیکن پھر ہمیں کوئی بتلائے کہ مدینہ کیسے فتح ہوا؟ جس شہر سے اسلامی ریاست کا آغاز ہوا، وہ کس قوت وطاقت سے سرنگوں ہوا؟ وہ سارا شہر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے سحر میں مبتلا ہوکر آپ کے استقبال کے لیے اُمڈ آیا، اسی ریاستِ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرامن بقائے باہمی کی خاطر تحریری معاہدہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان طے کیا، وہ ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے

معروف ہے، اس کو ریاستوں کے دستور میں تاریخی طور پر جو اولیت حاصل ہے اس کا انکار ممکن نہیں۔

حکمرانی بطریقۂ مشاورت

آپ ﷺ اللہ کے نبی تھے اور براہِ راست اللہ کی نگرانی میں پیغمبری فرمایا کرتے تھے، اس لحاظ سے آپ کسی کے مشورے کے پابند نہیں تھے، مگر اس کے باوجود آپ کی سیرت شاہد ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے احکامات کے مطابق ہمیشہ اپنے صحابہؓ کو مشاورت میں شریک کیا اور مشاورت ہی کو فروغ دیا، چنانچہ بدر کے موقع پر معرکہ آرائی کی جگہ کا انتخاب تک آپ نے مشاورت سے کیا۔ قرآن کریم نے صحابہؓ کی صفات یہ بیان فرمائیں کہ ''وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' لہٰذا جب بھی اسلام کی بنیاد نظمِ اجتماعی قائم ہوگا تو اس کا بنیادی اصول باہمی مشاورت ہوگی۔

اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا سلوک

ہمارا اقلیتوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟ اس میں ہمارے لیے اُسوہ وہ طرزِ عمل ہے جو آپ ﷺ نے فتحِ مکہ کے بعد اختیار کیا، حالانکہ فتحِ مکہ میں اقلیت بن جانے والا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی اَلمناک تاریخ رقم کی تھی، قریش کے وہ تمام افراد جو سورما سمجھے جاتے تھے، اس دن خوف سے کانپ رہے تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے صرف ایک بات ارشاد فرمائی:

''يا معشر قريش! ما ترون أني فاعل بكم؟ قالوا: خيرا، أخ كريم وابن أخ كريم، قال: فإني أقول لكم كما قال يوسف لإخوته: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذهبوا فأنتم الطلقاء.''(۱۰)

''ترجمہ: اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اچھے سلوک (کی اُمید ہے۔) آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے وہی بات کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''

آپ ﷺ کی سیرت کا مطالبہ بھی ہم سے یہ ہے کہ ہمارے زیرِ نگیں رہنے والی اقلیتیں ہم سے خوفزدہ نہ ہوں، وہ اس احساس کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ اپنے معاشرے سے زیادہ اسلامی معاشرے میں ان کے حقوق کی رعایت کی جائے گی۔

یہ وہ کچھ پہلو ہیں جن سے آپ ﷺ کی سیاسی زندگی سے حاصل ہونے والے اسباق ہمارے

سامنے آتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے استفادہ کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، ایسی مجالس ومحافل اور ایسے نوجوان آباد وشاد رہیں جو موجودہ مشکل ترین حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے وابستگی کا دَم بھرتے ہیں۔

اللّٰھمّ صلّ علٰی سیدنا ومولانا محمد النبي الأمي وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ بعدد کل شيء ما تحبہٗ وترضاہ

حوالہ جات

۱-مسند احمد، حدیث نمبر:۲۵۳۰۲، مؤسسۃ الرسالۃ: ۴۲/ ۱۸۳

2 - Some historians suggest that the commander's Army arrived at a place they named, Morontobara which is the present-day Hub area in the far north of Karachi. 20- Mar-2016.

۳-مائکل ایچ ہارٹ لکھتا ہے:

‘‘My choice of Muhammad to lead the list of the world’s most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man history who was suprerdly successful on both the religious and secular levels. ” (THE 100 A RANKING OF THE MOST INFLUENTIAL PERSONS IN HISTORY, Page no 3, Kensington,1978)

۴-سورۃ الحج، آیت نمبر:۴۱

۵-سورۃ النساء، آیت نمبر:۵۸

۶-إعلام الموقعین لابن قیم حنبلي:۳/ ۴۳۴

۷-’’عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَأنُ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ، فَقَالُوْا: مَنْ يُّكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟، فَقَالُوْا: وَمَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهٗ أسَامَةُ، فَقَالَ: اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللهِ؟ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ: لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.‘‘(صحیح بخاری، حدیث نمبر:۳۴۷۵)

۸-چنانچہ صحابہؓ کا قول منقول ہے:’’ما حرم علینا أشد من الخمر‘‘(شراب کے حرام ہونے سے زیادہ اور کوئی حکم ہم پر زیادہ سخت نہ تھا۔)

۹-الفتح:۲۶

۱۰-السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي:۲/ ۴۱۲، تحقیق: مصطفی السقا

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مَحرم کے بغیر عورت کا سفر
اور اسلامی نظریاتی کونسل کی اجازت

مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
استاذِ جامعہ

چند ماہ قبل وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے عورت کے سفرِ حج سے متعلق رائے طلب کرنے پر اسلامی نظریاتی کونسل نے خواتین کو بغیر مَحرم کے حج کے سفر پر جانے کی مشروط اجازت دی۔ کونسل نے اپنی رائے میں یہ لکھا کہ ایسی عورت جسے قابلِ اعتماد خواتین کی رفاقت حاصل ہو اور جسے سفر اور حج کے دوران کسی فساد یا خطرے کا اندیشہ نہ ہو وہ بغیر مَحرم حج کے لیے جاسکتی ہے۔

(روزنامہ جنگ، مورخہ ۱۵؍جون ۲۰۲۳ء، جمعرات، ص:۱۰، کراچی ایڈیشن)

مزید یہ کہ اب مورخہ ۱۵؍نومبر کو دوبارہ یہ خبر وزارتِ حج کی جانب سے دی گئی ہے کہ عورت بلامَحرم اپنے شوہر یا مَحرم کی اجازت سے سفر کرسکتی ہے۔ خبر کی تفصیل درج ذیل ہے:

> ''اسلام آباد (رانا غلام قادر) اسلامی نظریاتی کونسل نے خواتین کو مَحرم کے بغیر حج پر جانے کے معاملہ کی وضاحت کردی ہے اور مشروط اجازت دے دی۔ والدین یا شوہر اجازت دیں، قابلِ اعتماد خواتین کی رفاقت حاصل، فساد یا خطرے کا اندیشہ نہ ہو، اسلامی نظریاتی کونسل نے وزارتِ مذہبی امور کے استفسار پر تحریری جواب دے دیا۔ حالیہ ایام میں وزارتِ مذہبی امور کے نام لکھے گئے اسلامی نظریاتی کونسل کے خط میں کہا گیا کہ اگر کسی عورت کو حج پر جانے کے لیے مَحرم میسر نہ ہو تو اگرچہ احناف و حنابلہ کے معروف مسلک کے مطابق اس پر حج فرض نہیں، تاہم شوافع و مالکیہ و جعفریہ کے دلائل اور ظروف زمانہ کے تغیر کے پیشِ نظر شریعت میں اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے، البتہ اس گنجائش کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرنا چاہیے کہ اس عورت کے والدین یا شادی شدہ

ہونے کی صورت میں اس کا شوہر اس کی اجازت دیں۔ نیز اسے قابلِ اعتماد خواتین کی رفاقت حاصل ہو اور کسی قسم کے فساد یا خطرے کا اندیشہ نہ ہو۔ وزارتِ مذہبی امور کی حج انتظامیہ کے لیے لازم ہوگا کہ ایسی عورت جس گروپ کے ساتھ حج پر جا رہی ہے، اس گروپ کے بارے میں زیادہ چھان بین کرے اور گروپ کے بارے میں پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی اسے حج پر جانے کی اجازت دے۔'' (روزنامہ جنگ، ۱۶/نومبر ۲۰۲۳ء)

کونسل کی جانب سے دی گئی اس رائے اور وزارت کی جانب سے بغیر مَحرم سفر کی اجازت کے بعد حج کے سفر کے لیے کوشاں خواتین کی بڑی تعداد نے اہلِ علم سے بالخصوص اہلِ افتاء سے اس بابت دریافت کیا کہ آیا مَحرم کے بغیر حج کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟! اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ اربعہ بالخصوص احناف کا موقف پیش کیا جائے۔

عورت کا سفر اور ہدایاتِ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایات سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے تین دن تین رات کا سفر کرنا اس وقت جائز ہے جب اس کے ساتھ محارم میں سے کوئی موجود ہو۔ نیز ان روایات میں بوڑھی یا جوان کی تخصیص نہیں۔ نیز ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بااعتماد قافلہ یا خواتین وغیرہ کے ساتھ سفر کی اجازت کی مرحمت نہیں فرمائی۔ ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

صحیح بخاری میں ہے:

''عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم.'' (صحيح البخاري، باب في كم يقصر الصلاة، حديث :١٠٨٦، ج:٢، ص:٤٢، ط:دار طوق النجاة)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن کا سفر اس وقت تک نہ کرے جب تک اس کے ساتھ کوئی مَحرم موجود نہ ہو۔''

وفيه أيضاً:

''عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها .''

(صحيح البخاري، باب حج النساء، حديث :١٨٦٢، ج:٣، ص:١٩، ط:دار طوق النجاة)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنے محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے اور کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس وقت تک نہ جائے جب تک وہاں ذی محرم موجود نہ ہو۔ ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں فلاں لشکر میں جہاد کے لیے نکلنا چاہتا ہوں، لیکن میری بیوی کا ارادہ حج کا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو اپنی بیوی کے ساتھ (حج کو) جا۔‘‘

سننِ ترمذی میں ہے:

’’عن أبي سعيد الخدريؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها، أو أخوها، أو زوجها، أو ابنها، أو ذو محرم منها.‘‘ (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها، ج:۳، ص: ٤٦٤، ط: مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ تین دن یا زیادہ کا سفر کرے، مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا والد، بھائی، شوہر، اس کا بیٹا یا کوئی اور محرم ہو۔‘‘

سننِ ابن ماجہ میں ہے:

’’عن أبي سعيدؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة سفر ثلاثة أيام، فصاعداً، إلا مع أبيها أو أخيها، أو ابنها، أو زوجها، أو ذي محرم.‘‘

(سنن ابن ماجة، باب المرأة تحج بغير ولي، ج:۲، ص:٩٦٨، ط: دار إحياء الكتب العربية)

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اپنے والد، یا بھائی یا بیٹے یا شوہر یا کسی محرم کے بغیر نہ کرے۔‘‘

مسند احمد بن حنبل میں ہے:

’’عن عبد الله بن عمرؓ عن النبي –صلى الله عليه وسلم– قال: لاتسافر المرأةُ ثلاثاً إلا ومعها ذو مَحْرَمٍ.‘‘

(مسند أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمرؓ، ج:٤، ص:٣٦٥، ط: دارالحديث، القاهرة)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن کا سفر اس وقت تک نہ کرے جب تک اس کے ساتھ کوئی محرم موجود نہ ہو۔‘‘

ان روایات سے مشترکہ طور پر یہ امر معلوم ہوا کہ عورت کے لیے تین دن یا زیادہ کا سفر مع محرم کے جائز ہے، محرم کے بغیر جائز نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل کی روایت میں تصریح ہے، حتیٰ کہ صحیح بخاری کی درج کردہ دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جہاد میں

جانے کے بجائے اپنی اہلیہ کے ساتھ حج پر جانے کا حکم دیا، تاکہ وہ بلامحرم سفر نہ کرے، نیز ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بااعتماد خواتین یا افراد کے بارے میں نہ سوال فرمایا اور نہ حکم ارشاد فرمایا کہ عورت ان کے ساتھ سفر کرلے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محارم میں سے بعض کا صراحتاً ذکر بھی فرمادیا کہ ان محارم کے ساتھ سفر کیا جائے، جیسا کہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات میں موجود ہے۔

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا پہلی روایت کے ذیل میں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

’’ ذكر ما يستنبط منه: احتج به أبو حنيفة وأصحابه وفقهاء أصحاب الحديث على أن المحرم شرط في وجوب الحج على المرأة إذا كانت بينها و بين مكة مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، و به قال النخعي والحسن البصري والثوري والأعمش .‘‘ (ج:۷، ص:۱۲٦، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عورت پر حج کے وجوب کے لیے سفرِ شرعی کی صورت میں محرم کا ہونا شرط ہے۔ اور یہی حضرت حسن بصری، امام نخعی اور امام اعمش رحمہم اللہ کا موقف ہے۔ نیز علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال میں صحیح بخاری کی مذکورہ بالا دوسری روایت بھی ذکر کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جہاد کے بجائے اپنی اہلیہ کے ساتھ سفرِ حج کا حکم فرمایا، اس روایت کو ذکر کر کے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’فدل ذٰلك على أنها لا ينبغي لها أن تحج إلا به، ولو لا ذٰلك لقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وما حاجتها إليك لأنها تخرج مع المسلمين، وأنت فامض لوجهك فيما اكتتبت، ففي ترك النبي صلى الله عليه وسلم أن يأمرهٗ بذٰلك وأمرهٗ أن يحج معها دليل على أنها لا يصلح لها الحج إلا به.‘‘ (حوالہ بالا)

یعنی اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے لیے شوہر یا محرم کے بغیر حج پر جانا درست نہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوہر کو جہاد پر اور عورت کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ حج کی اجازت مرحمت فرماتے۔

احناف کا موقف

ان احادیث کی روشنی میں احناف کا موقف یہی ہے کہ عورت کو شوہر یا محرم کے بغیر سفرِ شرعی کی ہرگز اجازت نہیں، چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو، عورتوں کے قافلے کے ساتھ ہو یا تنہا سفر کرے، شوہر کی اجازت یا عدمِ اجازت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ نیز وہ سفر چاہے تعلیم کے لیے ہو، تجارت کے لیے، یا کسی بھی دنیاوی مقصد کے لیے، حتیٰ کہ اگر سفرِ حج ہو تب بھی محرم کے بغیر سفر کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر محرم میسر نہ ہو، یا اس کا خرچہ اُٹھانے کی طاقت نہ ہو تو عورت انتظار کرے گی اور موت تک محرم میسر نہ ہوا تو حجِ بدل کی وصیت

کرے گی۔ اور اگر عورت یہ سفر شوہر یا مَحرم کے بغیر کرتی ہے، تو اس صورت میں اگرچہ فریضۂ حج بظاہر ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔ یہ حج، حجِ مبرور نہیں کہلائے گا، بلکہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

یہ صاف، دوٹوک اور واضح موقف ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی استثنا نہیں ہے۔ یہی حضرات احناف متقدمین ومتاخرین کا موقف ہے، چنانچہ امام سرخسیؒ نے ''المبسوط'' میں اس کی صراحت کی ہے کہ ہر وہ سفر جو عورت کا اختیاری سفر ہو، اضطراری نہ ہو، اس میں شوہر یا محرم کا ہونا لازم ہے۔ نیز امام سرخسیؒ نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ جو مقصود محرم سے ہے وہ ہرگز عورتوں کے قافلے سے حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ عورتیں جتنی زیادہ ہوں گی اتنا ہی فتنے کا اندیشہ بھی زیادہ ہوگا۔ اور فتنے کا انسداد صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب فتنے سے حفاظت کرنے والا شوہر یا محرم موجود ہو۔ امام سرخسیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

'' وحجتنا في ذٰلك حديث ابن عباس – رضي الله عنهما – أن النبي – صلى الله عليه وسلم – قال: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر فوق ثلاثة أيام ولياليها إلا ومعها زوجها أو ذو رحم محرم منها، فقام رجل فقال :إني أريد الخروج في غزوة كذا، وإن امرأتي تريد الحج فماذا أصنع؟ فقال – صلى الله عليه وسلم – اخرج معها، لا تفارقها، ففي هٰذا دليل على أنهم فهموا من السفر الذي ذكره سفر الحج حتى قال السائل ما قال، وفي أمر رسول الله – صلى الله عليه وسلم – الزوج بأن يترك الغزو، ويخرج معها دليل على أنهٗ ليس لها أن تخرج إلا مع زوج أو محرم.

والمعنى في ذلك أنها تنشئ سفراً عن اختيار فلا يحل لها ذلك إلا مع زوج أو محرم كسائر الأسفار بخلاف المهاجرة، فإنها لا تنشئ سفراً، ولكنها تقصد النجاة ... وهٰذا لأن المرأة عرضة للفتنة، وباجتماع النساء تزداد الفتنة، ولا ترفع إنما ترفع بحافظ يحفظها، ولا يطمع فيها، وذٰلك المحرم، وتفسيرهٗ من لا يحل له نكاحها على التأبيد بسبب قرابة أو رضاع أو مصاهرة، ألا ترى أنه يجوز له أن يخلو بها لأنه لا يطمع فيها إذا علم أنها محرمة عليه أبداً فكذٰلك يسافر بها. '' (المبسوط، كتاب الحج، باب المحصر، ج:٤، ص:١١١، ط:دار المعرفة، بيروت، لبنان)

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

''(قولهٗ: ومحرم أو زوج لامرأة في سفر) أي وبشرط محرم إلى آخرہ لما في الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها محرم، وزاد مسلم في رواية أو زوج . وروى البزار: "لا تحج امرأة إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني كتبت في غزوة وامرأتي حاجة قال: ارجع فحج معها." فأفاد هٰذا

كلهٗ أن النسوة الثقات لا تكفي ... ولأنهٗ يخاف عليها الفتنة وتزاد بانضمام غيرها إليها ولهٰذا تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها من النساء والمحرم من لا يجوز لهٗ مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو مصاهرة ... وأطلق المرأة فشمل الشابة والعجوز لإطلاق النصوص والمرأة هي البالغة؛ لأن الكلام فيمن يجب عليه الحج، فلذا قالوا في الصبية التي لم تبلغ حد الشهوة تسافر بلا محرم، فإن بلغتها لا تسافر إلا به، والمراد خطاب وليها بأن يمنعها من السفر، فإن لم يكن لها ولي فلا تستصحب في السفر، لا أن المراد أنها يحرم عليها؛ لأنها غير مكلفة حتى تبلغ و بلوغها حد الشهوة لايستلزمه، وقيد بالسفر وهو ثلاثة أيام بلياليها.''

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، واجبات الحج، ج:۲، ص:۳۳۹، ط: دار الكتاب الإسلامي)

''المحيط البرهاني''میں ہے:

'' والمحرم في حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزاً إذا كان بينها و بين مكة مسيرة ثلاثة أيام .''(المحيط البرهاني، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، ج:۲، ص:٤١۹، ط:دار الكتب العلمية، بيروت)

احناف کے موقف کا حاصل یہ ہے کہ ہر سفرِ شرعی کے لیے شوہر یا محارم میں سے کسی کا ہونا شرط ہے، بالغہ عورت عمر کے کسی بھی مرحلہ میں ہو اسے اس حکم سے استثنا نہیں، نیز خواتین کا قافلہ یا با اعتماد جماعت محرم کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، حتیٰ کہ حضرات فقہائے کرامؒ نے محرم کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ فاسق فاجر نہ ہو، اس لیے کہ فاسق فاجر پر اطمینان نہیں ہوتا، لہٰذا محرم ہو، مگر وہ فاسق و فاجر ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور مَحرم سے مراد وہ شخص ہے جس سے نکاح کرنا ابدی طور پر حرام ہو۔ اب یہ حرمت چاہے نسب کی وجہ سے ہو، جیسے باپ، دادا، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ، یا ازدواجی رشتے کی بنیاد پر ہو، جیسے داماد، سسر یا رضاعت کی وجہ سے ہو۔ اور جس شخص سے نکاح ممنوع ہو، مگر کسی خاص عارض کی وجہ سے وقتی طور پر نکاح کی اجازت نہ ہو، وہ محرم نہیں کہلائے گا، جیسے دیور، اس لیے کہ یہ محرماتِ ابدیہ میں شامل نہیں ہے۔

حنابلہ کا موقف

امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ عورت کے لیے بلامَحرم سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جب سوال کیا گیا کہ محرم کے بغیر عورت حج پر جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے منع

فرمادیا۔ نیز فقہ حنبلی میں بھی صراحت ہے کہ عورت جوان ہو یا بوڑھی بلامَحرم اسے سفر کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ ''الإقناع''میں اس کی صراحت ہے۔

فقہ حنبلی کی کتب کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

''المغني لابن قدامة''میں ہے:

'' مسألة-قال: (وحكم المرأة إذا كان لها محرم كحكم الرجل) ظاهر هٰذا أن الحج لا يجب على المرأة التي لا محرم لها؛ لأنه جعلها بالمحرم كالرجل في وجوب الحج، فمن لا محرم لها لا تكون كالرجل، فلا يجب عليها الحج. وقد نص عليه أحمد، فقال أبو داود: قلت لأحمد: امرأة موسرة، لم يكن لها محرم، هل يجب عليها الحج؟ قال: لا. وقال أيضا: المحرم من السبيل. وهٰذا قول الحسن، والنخعي، وإسحاق، وابن المنذر، وأصحاب الرأي ... والمذهب الأول، وعليه العمل...''

(المغني، ج:٥، ص:٣٠، ط:دار عالم الكتب للطباعة والنشر، الرياض)

''المحرر في الفقه علىٰ مذهب الإمام أحمد بن حنبل''میں ہے:

''وتزيد المرأة باعتبار محرم مكلف مسلم باذل للخروج ونفقته عليها والمحرم زوجها ومن تحرم عليه أبدا لا من تحريمها بوطء شبهة أو زنا.''

(كتاب المناسك، ج:١، ص:٢٣٣، ط:مكتبة المعارف، رياض)

''الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف''میں ہے:

''ويشترط لوجوب الحج على المرأة وجود محرمها.'' هٰذا المذهب مطلقا يعني أن المحرم من شرائط الوجوب كالاستطاعة وغيرها وعليه أكثر الأصحاب ونقله الجماعة عن الإمام أحمد وهو ظاهر كلام الخرقي وقدمهٗ في المحرر والفروع والفائق والحاويين والرعايتين وصححهٗ في النظم وجزم بهٖ في المبهج والإيضاح والعمدة.'' (ج:۳،ص:۲۹۱،ط:داراحیاءالتراث العربی،بیروت)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سفرِ حج نیز دیگر تمام اسفار بھی جب سفرِ شرعی کی مسافت کے ہوں، شوہر یا محرم کے بغیر جائز نہیں، جیسا کہ ان کی کتب سے یہ بات واضح ہے۔ اور احناف کی مانند ان کا استدلال بھی ان نصوص سے ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلامحرم سفر سے منع فرمایا ہے۔

شوافع کا موقف

امام شافعیؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو قابلِ اعتماد دیگر خواتین کی رفاقت حاصل ہو، تو یہ خاتون

ان خواتین کے ساتھ سفر کرسکتی ہے ۔ یہی موقف امام شافعیؒ سے ان کی کتاب ''الأم'' میں منقول ہے۔ نیز حضرات شوافع کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک با اعتماد عورت ہو تب بھی حج پر جانے کی اجازت ہے، البتہ شوہر سے اجازت حاصل کی جائے، اگرچہ اجازت کے سلسلہ میں فقہ شافعی میں کچھ تفصیلات بھی ہیں۔ تاہم ایک عورت کے ساتھ جانے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ نیز اگر کوئی عورت نہ ہو اور محرم بھی نہ ہو، پھر عورت کو سفر کی اجازت نہیں ہے۔ یہی شوافع کا راجح موقف ہے، اور یہ اجازت بھی صرف حجِ واجب تک محدود ہے۔ حجِ تطوُّع (نفلی حج) میں اس کی اجازت نہیں۔ نیز شوافع کے ہاں دیگر اسفار مثلاً سفرِ تجارت وغیرہ میں محرم کا ہونا لازم ہے، بغیر محرم کے سفر کرنا ہی جائز نہیں ہے، یعنی دیگر اسفار میں ان کا موقف احناف اور حنابلہ والا ہے۔ چنانچہ ''الأم للشافعي'' میں ہے:

''(قال الشافعي – رحمه الله تعالى –) : وإذا كان فيما يروى عن النبي – صلى الله عليه وسلم – ما يدل على أن السبيل الزاد و الراحلة وكانت المرأة تجدهما و كانت مع ثقة من النساء في طريق مأهولة آمنة فهي ممن عليه الحج عندي والله أعلم.'' (الأم، باب حج المرأة، ج:۲، ص:۱۲۷، ط: دارالمعرفة، بيروت)

''الحاوي الكبير'' میں ہے:

'' فأما إذا أرادت المرأة أن تبتدئ بالحج، فإن كان فرضاً جاز أن تخرج من ذي محرم، أو مع نساء ثقات ولو كانت امرأة واحدة، إذا كان الطريق آمناً، ولا يجوز أن تخرج بلا محرم ... فأما إن كان الحج تطوعاً، لم يجز أن تخرج إلا مع ذي محرم، وكذلك في السفر المباح، كسفر الزيارة والتجارة، لا يجوز أن تخرج في شيء منها إلا مع ذي محرم، ومن أصحابنا من قال: يجوز أن تخرج مع نساء ثقات، كسفر الحج الواجب، وهو خلاف نص الشافعي.''

(الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي، ج:٤، ص:٣٦٤، ط:دارالكتب العلمية، بيروت)

امام شافعیؒ کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ حجِ فرض میں اگر مَحرم میسر نہ ہو تو شوہر کی اجازت سے قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت ہے، اور ایک عورت ہو، تب بھی کافی ہے۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو تنہا یا مردوں کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نیز فرض حج کے علاوہ دیگر اسفار جن میں نفلی حج بھی شامل ہے، ان تمام اسفار میں محرم یا شوہر کا ہونا لازم ہے۔

مالکیہ کا موقف

امام مالکؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ عورت کے لیے باوثوق عورتوں کے ساتھ سفرِ حج کی اجازت ہے،

چنانچہ ’’المدونة‘‘ میں ہے کہ امام مالکؒ سے حج کے سلسلہ میں سوال کیا گیا کہ جس عورت کے ساتھ ولی نہ ہو وہ حج کیسے کرے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ باوثوق عورتوں کے ساتھ سفر کرسکتی ہے۔ یہاں بھی یہ بات واضح رہے کہ فقہ مالکی میں بھی بااعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کی اجازت صرف حج تک ہی محدود ہے، جیسا کہ ان کی کتب میں صراحت موجود ہے، دیگر اسفار کے لیے محارم میں سے کسی کا ہونا ان کے ہاں بھی لازم ہے۔

’’المدونة‘‘ میں ہے:

’’ قلت: فما قول مالك في المرأة تريد الحج وليس لها ولي؟ قال: تخرج مع من تثق به من الرجال والنساء.‘‘ (المدونة، كتاب الحج، ج:۱، ص:٤٥٧، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

’’الكافي في فقه أهل المدينة‘‘ میں ہے:

’’ولا يخلو الرجل بامرأة ليست منه بمحرم ولا تسافر المرأة إلا مع زوج أو مع ذي محرم منها إلا سفرها إلى الحج خاصة، فإنها إذا لم يكن لها ذو محرم من الرجال خرجت مع جماعة النساء.‘‘

(الكافي في فقه أهل المدينة، ج: ۲، ص: ۱۱۳٤، ط: مكتبة الرياض الحديثة، الرياض)

مذاہبِ اربعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

احناف اور حنابلہ کے نزدیک عورت کے لیے سفرِ حج (فرض ہو نفل) سمیت تمام اسفار میں محرم یا شوہر کا ہونا لازم ہے۔ مَحرم کے بغیر عورت کا سفر کرنا جائز نہیں۔ نیز حج کی صورت میں حج کی فرضیت بھی مَحرم سے مشروط ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا موقف صرف فرض حج میں یہ ہے کہ اگر شوہر یا محرم میسر نہ ہو تو عورت قابلِ اعتبار خواتین کے ساتھ شوہر کی اجازت سے سفر کرسکتی ہے۔ اور اگر قابلِ اعتماد خواتین میسر نہ ہوں تو سفر جائز نہیں۔ نیز دونوں حضرات کے نزدیک فرض حج کے علاوہ دیگر تمام اسفار میں محرم کی شرط موجود ہے، دیگر اسفار شوہر یا محرم کی معیت کے بغیر جائز نہیں ہیں۔

دلائل کی روشنی میں حضرات احناف اور حنابلہ کا موقف ہی راجح ہے، اور نصوص کے زیادہ قریب ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے عورت کو سفر میں محرم کی شرط کا پابند اس لیے بنایا ہے، تاکہ اس کی عزت وعصمت کی حفاظت رہے، عورت کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بوقتِ ضرورت کسی پریشانی وغیرہ میں اس کا خیال رکھا جاسکے، بیماری یا ایسی پریشانی کی صورت کہ عورت کو اٹھانے، ہاتھ لگانے کی ضرورت ہو، تو اجنبی کے مَس (چھونے) سے عورت محفوظ رہے۔ سفر پرامن بھی ہو اور اطمینان بخش بھی ہو، ظاہر ہے کہ محرم کے بغیر قدم قدم پر

فتنے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔ محرم کی موجودگی کی بنا پر عورت تہمت، بدگمانی اور بدنامی سے محفوظ رہے۔ محرم کے بغیر بسا اوقات سفر میں اجنبیوں کے ساتھ بات چیت کی نوبت آجاتی ہے جو کہ شریعت میں فتنہ کا باعث ہونے کی بنا پر حرام ہے، لہٰذا ان تمام امور کے لیے شوہر یا محرم کا ہونا ان پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے، اور ان ساری وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اصل شریعت کا حکم وہ نص ہے جو اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، جس میں آپ نے عورت کو بلا محرم سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں کسی خاص مقصد یا کسی خاص عمر کی تعیین نہیں، بلکہ علی الاطلاق ہر عاقلہ بالغہ عورت اس فرمان کی مخاطب ہے۔

نیز عصرِ حاضر میں اگرچہ وسائل واسباب نے سفر کی طوالت کو ختم کر دیا اور چند گھنٹوں میں دنوں/مہینوں کا سفر طے ہوجاتا ہے، مگر اس زمانے میں فتنے پہلے سے زیادہ رونما ہو چکے ہیں، اس لیے فی زمانہ پہلے سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے دورِ مبارک میں، جو کہ وحی کا دور تھا، جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس خود موجود تھی، صحابہ کرامؓ جیسی مقدس، مطہر جماعت موجود تھی، ان حالات میں شوہر کو پابند کیا گیا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے اپنی بیوی کے ساتھ سفرِ حج کرے تو آج کے پُرفتن دور میں کیسے شوہر یا مَحرم کی شرط سے عورت کو آزاد کیا جا سکتا ہے؟! غور کرنے کی ضرورت ہے۔ محرم کی شرط سے استثنا کی صورت میں بہت سارے فتنوں کا اندیشہ ہے، بلکہ یقیناً فتنوں سے عورتوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ آئے روز اخبارات میں درج واقعات سے ایک منصف مزاج مسلمان اندازہ کر سکتا ہے۔ محرم کی شرط کو ہٹانا عورت کی حفاظتی دیوار کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

حالانکہ اسلامی نظریاتی کونسل اس سے قبل اس مسئلہ میں یہ اتفاق کر چکی تھی کہ بغیر محرم کے عورت کو حج کی شرعاً اجازت نہیں، حتیٰ کہ کوئی عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ بھی سفرِ حج نہیں کر سکتی، چنانچہ کونسل کی جانب سے شائع شدہ رپورٹ (۱۹۸۷-۱۹۸۸ء) میں ہے:

’’کسی عورت کا اپنے بہنوئی کے ساتھ حج کے لیے جانا:

موضوع بالا سے متعلق وزارتِ مذہبی امور کا استفسار کونسل کو ان کے خط نمبر ایف ۵-۴/اے ڈی جے مورخہ ۲۰/اپریل ۱۹۸۷ء کے ذریعہ موصول ہوا۔

وزارت کے اس استفسار میں کونسل سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ از روئے شریعت کوئی عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے؟ اور کیا رشتے کے لحاظ سے بہنوئی محرم ہوتا ہے؟ کونسل نے موضوع بالا پر اپنے اجلاس منعقدہ اسلام آباد بتاریخ ۲۴/اگست ۱۹۸۷ء (مطابق ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ) زیرِ صدارت پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا چیئر مین غور کیا۔ اور حسبِ ذیل رائے

دی: ''بغیر محرم کے عورت پر حج فرض نہیں، نہ محرم کے بغیر سفر کرنا اس کے لیے شرعاً جائز ہے اور بہنوئی محرم نہیں ہے۔''

(سالانہ رپورٹ، ۰۸-۷-۱۴۰۷ھ/ ۸۸-۷-۱۹۸۷ء، اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ص: ۱۵-۱۶)

اور اب اسی سابقہ فیصلہ کے برعکس کونسل نے اس شرعی ممانعت کو ظروفِ زمانہ اور زمینی حقائق کے پیشِ نظر بدل کر یہ فیصلہ صادر کیا کہ قابلِ اعتماد خواتین کے ساتھ سفر کرسکتی ہے، اور وزارتِ مذہبی امور نے اس بنا پر خواتین کو بغیر محرم کے سفر کی اجازت دے دی۔

لہٰذا نگران وزارتِ مذہبی امور کا یہ کہنا کہ دیگر مذاہب کے دلائل اور ظروفِ زمانہ کے تغیر کے پیشِ نظر بغیر محرم سفرِ حج کی اجازت ہے، اس پر غور کرنا چاہیے اور ملک کے مستند اور معتمد اہلِ علم و اہلِ افتاء حضرات کی ایک جماعت تشکیل دینی چاہیے جو ان تمام امور پر شرعی دلائل کی روشنی میں اپنی تحقیق پیش کرے جس کی روشنی میں وزارتِ مذہبی امور اپنے اس موقف پر نظرِ ثانی کرے۔ نیز وزارتِ حج نے انتظامیہ کو پابند کیا ہے کہ جو عورت محرم کے بغیر کسی گروپ کے ساتھ جارہی ہو، اس گروپ کے بارے میں زیادہ چھان بین کی جائے، اور گروپ کے بارے میں مکمل اعتماد حاصل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انتظامیہ یہ چھان بین کس انداز سے اور کیسے کرے گی؟ گروپ کے ایک ایک فرد کے بارے میں احوال کا علم کیسے ہوگا؟ گروپ کے بارے میں انتظامیہ کیسے اعتماد حاصل کرسکتی ہے؟ اس لیے محرم کی شرط کو برقرار رکھنا لازم ہے، اور محرم یا شوہر کی شرط سے ان تمام اندیشوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ اسی میں تمام شرور وفتن کا سدِباب ہے اور عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت بھی اسی میں مضمر ہے۔

جس ملک میں فقہ حنفی کی اتباع کرنے والوں کی کثرت ہو، اور پُرفتن ماحول بھی ہو جس سے ہر مسلمان آگاہ ہے، اس ملک میں شوہر یا محرم کی شرط کو ختم کرنا مزید فتنوں کا ذریعہ ہوگا، نیز بلا کسی شرعی مجبوری کے فقہ حنفی سے عدول کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے فقہ حنفی سے خروج اور کسی اور مذہب پر عمل کے لیے بہت ساری شرائط ذکر کی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، کیا احناف کے مذہب پر عمل کرنا دشوار ہو چکا ہے؟ یا اس پر عمل کی صورت میں شدید دشواری کا سامنا ہے؟ یا عموم بلویٰ کی کیفیت ہے؟ کیا ضرورت اس درجہ کی ہے کہ مذہبِ حنفی کے بجائے دیگر مذاہب پر عمل کا کہا جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے سفر کے اس مسئلہ میں محرم کی شرط کو ختم کرنا، فقہ حنفی سے عدول کرکے مالکیہ وشوافع کے موقف پر بلا محرم سفر کی اجازت دینا ان شرائط کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہیے!

ڈاکٹرمفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، انڈیا

قرآن کریم (سورۃ المائدہ، آیت:۸۹) واحادیثِ شریفہ کی روشنی میں قسم کھانے سے متعلق چند ضروری واہم مسائل پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات کے علاوہ کسی بھی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، مثلاً تیری قسم یا تیرے سر کی قسم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص قسم کھانا ہی چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے، ورنہ چپ رہے۔‘‘ (بخاری ومسلم)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائی، گویا اس نے کفر وشرک کیا۔‘‘ (ترمذی، ابوداود)

لہٰذا ہمیں حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہیے، اگر ہمیں قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔ آئندہ زمانے میں کسی جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کو یمینِ منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، پھر وہ کام کرلے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے: دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو قسم توڑنے والے کو تین دن کے مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔ ہاں! اگر کسی شخص نے کسی غلط کام کی قسم کھائی تو ایسی قسم کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ توڑنا ضروری ہے اور اس کا کفارہ ادا کردے۔

اگر کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور حقیقت میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی کے

ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی، پھر معلوم ہوا کہ وہ نہیں آیا ہے، اسی طرح بلا قصد زبان سے قسم کے الفاظ نکل جائیں، جیسے: لا واللہ، بلٰی واللہ، قسم خدا کی، اس طرح کی قسم کھانے کو یمینِ لغو کہا جاتا ہے، ایسی قسم کھانا بڑا گناہ تو نہیں ہے، البتہ آدابِ گفتگو کے خلاف ہے، لہٰذا اس طرح کی قسم کھانے سے بھی حتی الامکان بچنا چاہیے۔

جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے

جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے شرک، والدین کی نافرمانی اور کسی کا ناحق قتل کرنے کی طرح جھوٹی قسم کھانے کو بھی بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (صحیح بخاری) مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کرلیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، اس طرح کی جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا سبب ہے۔ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔ اگر یہ جھوٹی قسم قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر کھائی جائے تو اس کا گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ جھوٹی قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کردینے والی ہے، اس لیے اس قسم کو یمینِ غموس کہا جاتا ہے۔ یمین کے معنی قسم اور غموس کے معنی ڈبو دینے والے کے ہیں، یعنی وہ قسم جو انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک جھوٹی قسم کھانے پر کوئی کفارہ تو نہیں ہے، لیکن گناہِ کبیرہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی اور توبہ واستغفار ضروری ہے، البتہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جھوٹی قسم پر توبہ واستغفار کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔

اگر کسی شخص نے جھوٹی قسم کھالی، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہے اور اللہ کے سامنے اپنے کیے ہوئے گناہ پر نادم بھی ہے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بھی کرتا ہے تو اس کی آخرت میں کوئی پکڑ نہیں ہوگی، ان شاء اللہ۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بڑے بڑے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، یہاں تک کہ شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے وہ بھی دنیا میں معافی مانگنے پر معاف کردیا جاتا ہے۔ سورۃ الزمر آیت نمبر: ۵۳ میں فرمانِ الٰہی ہے:

''کہہ دو کہ: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے (یعنی گناہ کر رکھے ہیں) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یقین جانو! اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کردیتا ہے، یقیناً وہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

اسی طرح سورۃ النساء آیت نمبر: ۴۸ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے

کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔‘‘

آخرت میں اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرے گا یا نہیں، ہمیں معلوم نہیں، لہٰذا ہمیں دنیا میں رہ کر تمام گناہوں سے بچنا چاہیے کہ نہ معلوم کونسا گناہ ہمیں جہنم میں لے جانے کا سبب بن جائے۔ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا یقیناً گناہِ کبیرہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص صرف اور صرف دو فریقوں کو جھگڑوں سے محفوظ رکھنے کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے اور پھر اللہ سے معافی بھی مانگتا ہے تو اس کی آخرت میں پکڑ نہیں ہوگی، ان شاء اللہ۔

خلاصۂ کلام

ہمیں حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہیے، اگر ہمیں قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے چار بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ آئندہ زمانے میں کسی جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے، یعنی دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو قسم توڑنے والے کو تین دن کے مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے استاذ مولانا محمد عامر فیروز صاحب کے بھتیجے اور مفتی محمد عمیر فیروز صاحب کے صاحبزادے اور حافظ فیروز الدین مرحوم کے پوتے جناب طٰہٰ عمیر صاحب ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۷/ نومبر ۲۰۲۳ء بروز پیر کورروڈ ایکسیڈنٹ میں شہید ہوگئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّى. اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله . آمين.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

قارئین بینات سے اُن کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دینی احکام واصطلاحات میں تحریف کا فتنہ

مفتی عبید الرحمٰن

مایار، مردان

قرآن کریم کے الفاظ ومعانی کو اپنی مسلمہ شکل سے پھیر دینے کو ''تحریف'' کہا جاتا ہے، یوں ہی احادیثِ مبارکہ اور شرعی ودینی اصطلاحات کے اپنے مسلمہ مفاہیم ومعانی میں ہیر پھیر بھی تحریف ہی کی ایک شاخ ہے۔ الفاظ کی تحریف تو واضح ہے کہ ایک لفظ یا جملہ کی بجائے دوسرا لفظ وجملہ رکھا جائے یا مختلف مقامات سے کچھ کچھ عبارات لے کر ایک نئی ترکیب بنائی جائے، تحریف کی اس قسم کی حرمت وممانعت پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے اور کوئی مسلمان اس کی جسارت نہیں کرسکتا، کوئی بہت ہی بدنصیب ہو اور وہ ایسی جرأت کرے تو بھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کا وعدہ خود فرمایا ہے، اس لیے اس اقدام کی وجہ سے کلامِ الٰہی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوسکتا، پھر تلفظ وادائیگی میں تو ایسی تحریف حرام ہی ہے، اس سے بڑھ کر خود رسم الخط میں بھی مصحفِ عثمانی کی اتباع لازم ہے، اگر کہیں کسی قوم ومعاشرہ میں رسم الخط تبدیل بھی ہوجائے تو بھی کم از کم قرآن کریم کو اسی رسم الخط میں برقرار رکھنا ضروری ہے۔

دوسری قسم تحریفِ معنوی ہے کہ الفاظ کو اپنی اصلی جگہ پر برقرار رکھا جائے، لیکن ان کے معانی ومفاہیم میں قطع وبرید کی جائے اور اپنی چاہت کے مطابق معانی کا جامہ پہنایا جائے، مثلاً کوئی کہے کہ زکاۃ بالکل برحق اور فریضۂ خداوندی ہے، مگر اس کا جو مفہوم مسلمانوں نے لے رکھا ہے وہ غلط ہے، یہ تو مسلمانوں کے نظامِ مملکت چلانے کے لیے افرادِ خانہ پر ٹیکس کا سا نظام ہے۔ حج بھی برحق ہے، مگر اس کا اصل مقصود مسلمانوں کی سیاسی واجتماعی قوت کا مظاہرہ ہے۔ سود کے حرام ہونے سے کوئی انکار نہیں ہے، مگر اس سے غریب لوگوں کے استحصال کو ختم کرنا مقصود ہے، بینک وتجارتی قرضوں پر پرافٹ کا لین دین اس کے خلاف نہیں۔ یہ اور اس قسم کی تحریفات وتاویلات کی نہ ختم ہونے والی ایک طویل اور صبر آزما داستان ہے جس کو سننے اور پڑھنے کے لیے کلیجہ چاہیے۔

اسی تحریفِ معنوی کی ایک قابلِ افسوس اور مذموم شکل مختلف دینی شعبوں کی اصطلاحات میں تحریف ہے، کسی عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا وآخرت میں کیا کچھ وعدے ہیں؟ مختلف قسم کی نیکیوں پر کیا کچھ اجر

وثواب اور درجات وفضائل مرتب ہیں؟ کس گناہ کے کرنے پر آخرت میں کیا کچھ سزائیں دی جائیں گی؟ یہ سب ''امورِ توقیفیہ'' ہیں جو قرآن وسنت کے سرچشمۂ حیات سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں اور بس، یہاں عقل وقیاس کی دخل اندازی کی ضرورت ہے نہ گنجائش، قرآن وسنت میں اس کے متعلق جتنی بات اور جس حد تک بیان ہوئی ہے اس پر اسی درجہ میں ایمان ویقین رکھا جائے اور اسی حد بندی پر رہا جائے، اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے ان حدود کو پار کرنا غلو وإفراط بھی ہے اور تحریفِ معنوی کا مظاہرہ بھی، مثلاً قرآن وسنت میں ''ذکر'' کی فضیلت اور اس کی ترغیب اور حکم وارد ہے، اس کا حقیقی مفہوم تسبیح، تہلیل وتکبیر وغیرہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے، اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کی ہر اطاعت بھی داخل ہے۔ دین کے اصول وضوابط کے مطابق دنیا داری بھی درحقیقت دینداری اور ذکر وعبادت میں شامل ہے، لیکن نصوص میں ''ذکر'' اور اس کے ثابت شدہ فضائل واحکام کا اولین اور بالذات مصداق یہی حقیقی مفہوم ہے، دیگر امور کہیں کہیں تبعاً اور ضمناً داخل ہوتے ہیں، اب ہر جگہ ان ضمنی اُمور کو مقصود ٹھہرانا اور ذکر کے حقیقی مفہوم کی اہمیت ختم کرنا بالکل غلط اور ایک گونہ تحریف ہے۔ اگر ہر جگہ ذکر کا یہی عمومی معنی میں استعمال ہوتا تو اس کے بعد نماز وزکاۃ وغیرہ اعمال واشغال ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی، جبکہ کئی نصوص میں ایسا وارد ہے۔

''عبادت'' کا ذکر قرآن وسنت میں کثرت سے موجود ہے، اس کا حقیقی مفہوم نماز روزہ وغیرہ وہ عبادات ہیں جو شریعت نے مقرر کر رکھے ہیں، البتہ اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہر حکم بجالانا بھی داخل ہے جو پوری انسانی اجتماعی وانفرادی زندگی کو شامل ہے، لیکن عبادات کے فضائل وترغیبات کا اصل موردِ یہی اصطلاحی عبادات ہی ہیں، دیگر ضمنی اُمور کو مقصودِ اصلی ٹھہرا کر ان مقاصد کی طرف التفات نہ کرنا یا خود ان مقاصد کو ذرائع وتوابع گردانا بالکل غلط اور بے راہ روی ہے۔

یہی حال لفظ ''جہاد'' کا بھی ہے، نصوص میں بکثرت اس کا ذکر ہے، بہت سی جگہوں میں سیاق وسباق اور موقع ومحل کے لحاظ سے اس کا عام لغوی معنی بھی مراد ہے، یعنی دین کی خاطر کی جانے والی کوشش، لیکن بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک شرعی اصطلاح ہے جو ایک خاص مفہوم یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبۂ دین کی خاطر دشمنانِ اسلام سے لڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اب نصوص میں جہاں جہاں اس کا حکم دیا گیا یا اس پر اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا، وہاں اس سے زبانی دعوت وتبلیغ یا سیاسی وجمہوری جدوجہد کے ذریعے نفاذِ اسلام مراد لینا، یا ان ضمنی امور کو غیر معمولی اہمیت دے کر لفظ کے اصل حقیقی اصطلاحی مفہوم سے مکمل صرفِ نظر کرلینا کھلی غلطی اور غیر دانشمندانہ اِقدام ہے۔ ''علم'' اور ''علماء'' کا لفظ بھی اس کھینچ وتان سے نہ بچ سکا، لغوی معنی کے لحاظ سے تو اس میں بہت کچھ وسعت ہے، کسی بھی چیز کی جان و پہچان کو علم اور جاننے والے کو عالم کہہ سکتے ہیں، لیکن نصوص میں جہاں

علم کی اجر وفضیلت کا ذکر ہے، وہاں اس سے شریعتِ اسلامیہ کا علم مراد ہے، یہی وہ علم ہے جس کا بقدرِ ضرورت حصہ فرض قرار دیا گیا اور اس پر اَن گنت فضائل وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، دنیوی علوم وفنون کا جاننا مطلقاً کوئی ناجائز یا معیوب نہیں ہے، اس کی اہمیت وافادیت بلکہ ایک حد تک اس کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، مگر بایں ہمہ وہ ان نصوص کا مصداق نہیں ہیں، لہٰذا ''طلب العلم فریضة'' اور ''وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ'' جیسی نصوص کو ان دنیوی فنون پر منطبق کرنا بالکل غلط اور مذموم ہے۔ اسی کا تماشہ ہمارے ہاں خاندانی منصوبہ بندی والے بھی کررہے ہیں کہ ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ'' جیسی نصوص کو اپنے خود ساختہ نظریہ ومقصود کے لیے جگہ جگہ لکھتے ہیں، حالانکہ آیت کے مفہوم ومصداق سے قطع نظر کرکے خود خاندانی منصوبہ کا یہ نظریہ ہی شریعتِ اسلام کی مجموعی تعلیمات سے متصادم ہے، کتنی جسارت اور جرأت کا مقام ہے کہ خلافِ اسلام نظریہ کی نشر واشاعت کے لیے قرآنی آیات کے پیوند لگا کر بے موقع استعمال کیا جاتا ہے۔

میوزک وموسیقی کے آلات ومحفلوں کے لیے ''روّحوا القلوب ساعة'' جیسی عبارتیں پیش کرنا بھی ایسا ہی غلط اور ناجائز حرکت ہے، اگر اس کو حدیث یا کوئی مسلَّم شرعی ضابطہ کے طور پر تسلیم بھی کیا جائے تو راحت سے صرف وہی راستہ مراد ہوسکتا ہے جو خود دینِ اسلام میں مرخَّص (جائز) ہو، ناجائز وسائل کی رخصت یا افادیت پر استدلال کرنا تحریف ہے۔ ان جیسی دانستہ یا نادانستہ طور پر تحریفات کرنے والوں میں سے بعض تو وہ لوگ ہیں جن کے جذبات واہداف ہی شاید یہی التباس واختلاط کی فضا پیدا کرنا ہیں، ان کے ساتھ بات کرنا تو ضیاعِ وقت ہی ہے، لیکن بہت سے بلکہ شاید غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اخلاص ودیانت کے باوجود کم فہمی یا بدفہمی کی وجہ سے ان جیسی غلطیوں کے شکار ہوجاتے ہیں، ان کی خدمت میں یہی گزارش ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت کی نصوص میں ہر ہر لفظ اپنے لغوی معنی پر محمول نہیں، بلکہ بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں کہ شریعت نے اس کے لیے ایک الگ مفہوم مقرر فرمایا ہے، اب نصوص میں اس کے کچھ فضائل وفوائد ذکر ہوئے ہیں، وہ اسی معین کردہ مفہوم کے پیشِ نظر بیان ہوئے ہیں، نہ کہ محض لغوی معنی پر۔ لہٰذا اگر نص میں کسی چیز کا حکم یا اس کی ترغیب دی جاتی ہے تو اولاً یہ تحقیق کرلینی چاہیے کہ لغوی معنیٰ مراد ہے یا مصطلح مفہوم؟ پھر اسی کے مطابق عمل درآمد کرلینا چاہیے، کیونکہ کوئی چیز شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ اس پر ثواب وعقاب مرتب ہوگا یا نہیں؟ یہ ساری باتیں نص ہی سے معلوم کی جاسکتی ہیں، یہاں عقل وقیاس کے پہیّے جام ہوجاتے ہیں، جذبات وخواہشات اور طبیعت ومزاج کی تکمیل نصوص کے ہاتھ ہی میں دے دینی چاہیے، ورنہ تو یہی بے راہ روی سابقہ ادیان ومذاہب کے اضمحلال اور ان کے کھوکھلے پن کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے، اس لیے لفظی تحریف کی طرح معنوی اور اصطلاحی تحریف سے بچنا بھی دین کی حفاظت کا اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائے، آمین۔

فلسطین اور اسرائیل جنگ کی تاریخ

مولانا سفیان علی فاروقی

قطر

اپنوں اور بیگانوں کی کرم نوازیوں کی داستانِ ہوشربا

اس وقت پوری دنیا میں ایک ہی موضوع زیرِ بحث ہے اور وہ ہے مسئلہ فلسطین۔ اور فلسطینی عوام ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا پریشان ہے کہ یہ قضیہ مزید کتنی جانیں لے گا اور یہ خطہ مزید کتنی دیر تک چند ایک لوگوں کی خواہشات کی نذر ہوتا رہے گا؟!

میں کافی تحقیق کے بعد اس جاری جنگ کے حقائق، ماضی، حال، مستقبل اور فلسطین اسرائیل وار کی تاریخ، اس جنگ میں اپنوں اور بیگانوں کا کردار اور بے شمار چھپے ہوئے پہلوؤں کی عقدہ کشائی کرنے جارہا ہوں، تاکہ ایک مکمل منظرنامہ اس حوالے سے آپ کی نظر میں ہو اور آپ کے علم میں ہو کہ فلسطین کے قضیے کو لے کر پچھلی کئی دہائیوں سے کیا چلتا رہا؟! تاکہ موجودہ صورتِ حال سمجھنے اور اس کا نتیجہ نکالنے میں آسانی ہو۔

مسلم ممالک کی عوام یعنی امتِ مسلمہ پچھلی دو تین صدیوں سے عموماً اور ایک صدی سے خصوصاً اپنوں اور بیگانوں کی مشقِ ستم کا شکار ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق اگر مسلم حکمران اپنے اقتدار یا خواہشات کی خاطر اپنی ہی رعایا کو فتح کرنے اور ایک دوسرے کو تاراج کرنے کی بجائے ایک متحد فوج، مسلم ممالک میں ایک ہی کرنسی اور آپس میں ٹریڈنگ یونٹ بناتے، ایک دوسرے کے لیے ویزہ پالیسی آسان کرنے کی طرف توجہ مبذول کرتے تو شاید ہماری یونٹی ختم نہ ہوتی اور کسی بھی غیر مسلم طاقت کو کسی بھی مسلم ملک میں طاقت کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی یا مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

یعنی اسرائیل اور فلسطین کی حالیہ جنگ پر بات شروع کرنے اور دشمن کو کوسنے سے پہلے اگر اپنوں کی کرم نوازیوں، اُمتِ مسلمہ پر اپنوں کی مہربانیوں پر دلی افسوس نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ بات

ادھوری رہ جائے۔

سعودیہ کے شریفِ مکہ کی نادانیاں، ترکی کے کمال اتاترک کی ریشہ دوانیاں، مصر میں محمد مرسی کی حکومت کا خاتمہ اور اخوان کے ہزاروں کارکنان کا قتل، جمال عبدالناصر کے ظلم وستم، پاکستان میں پرویز مشرف کے دورِ اقتدار میں اسلام پسندوں کا قتلِ عام اور پچھلی کئی دہائیوں سے جاری درپردہ اقتدار کی کشاکش میں خوار ہوتے پاکستانی عوام اور غیر مستحکم پاکستان کے پوری امتِ مسلمہ میں منفی اثرات' عراق، ایران اور کویت کی بے فائدہ و بے نتیجہ جنگ، شام میں حافظ الاسد اور بشار الاسد کا اقتدار کی لالچ میں شام کو میدانِ جنگ بنانا، ایران میں خمینی انقلاب کے نام پر قتلِ عام اور ایک مخصوص طبقے کا تسلُّط، فلسطین کے قضیے میں ترکی کی اسرائیل کے ساتھ ٹریڈنگ اور سعودی عرب کا اسرائیل کے ساتھ نرم رویہ، کس کس کا رونا رویا جائے؟! بدقسمتی سے ہماری نااتفاقی نے جو بے یقینی کی صورت حال اُمتِ مسلمہ پر طاری کی اور اس کے نتیجے میں جو دشمنانِ اسلام کو فائدہ ہوا، وہ تاریخ کا ایک تاریک ترین باب ہے۔

فلسطین اور اسلامی تاریخ

دوستو! اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ۱۷ یا ۱۸ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی ہے، اسلامی تاریخ کے مشہور واقعۂ معراج میں بھی بیت المقدس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ میں نوے سال نکال کر ۱۲۰۰ سال مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں ہی کے پاس رہی، مسلمانوں نے ۱۵ ر ہجری (۶۳۶ء) میں اس کو فتح کیا، پھر ایک مختصر وقفہ کے لیے یہ صلیبیوں کے قبضہ میں چلی گئی اور صلیبیوں نے (۱۰۹۹ء-۴۹۲ھ) میں اس پر قبضہ کیا اور ۹۰ سال کے لیے یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی، لیکن پھر مسلمانوں کے عظیم سپاہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے ۱۱۸۷ء (۵۸۳ھ) میں واپس لے لیا، اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک مرتبہ پھر نکل گئی۔

سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ دراصل اسرائیل کی بنیاد کی طرف پہلا قدم تھا

جس طرح سلطان عماد الدین زنگیؒ (۱۱۷۰ء)، سلطان نورالدین زنگیؒ (۱۱۷۴ء) اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (۱۱۹۳ء) کو مصر کی فاطمی حکومت جو کہ صلیبیوں کی آلہ کار تھی نے پریشان کیے رکھا، بلکہ صلیبیوں کی سازشوں کا بہترین ذریعہ بنی رہی، اسی طرح برِصغیر میں ایران کی صفوی حکومت نے عالمِ اسلام کی اِکائی اور اتحاد کی علامت سلطنتِ عثمانیہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، بلکہ عثمانی حکومت سے باقاعدہ جنگیں

شروع کردیں اور دشمن نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور نپولین نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کردیا، فرانس نے ۱۸۳۰ء میں الجزائر پر قبضہ کرلیا، انگلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں عدن پر قبضہ کرلیا، فرانس نے ۱۸۸۱ء میں تیونس پر قبضہ کرلیا، انگلینڈ نے ۱۸۸۲ء میں مصر پر قبضہ کرلیا، اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں لیبیا پر قبضہ کرلیا، فرانس نے ۱۹۱۱ء میں مراکش پر قبضہ کرلیا، ۱۹۱۷ء میں انگلینڈ نے عراق پر قبضہ کرلیا، اور یہ جرأت شریفِ مکہ کی غداری اور برطانوی کاسہ لیسی کے نتیجے میں ہوئی۔

یوں سلطنتِ عثمانیہ کو سازش کے تحت کمزور کرکے اور پھر ختم کرکے پورے عالمِ اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا، اسی کے نتیجہ میں ۱۹۱۷ء میں ایک معاہدہ بالفور ہوا، جس کی صورت میں صہیونی مغربی اتحاد وجود میں آیا، پھر ۱۹۱۸ء میں اس خطے کا تقریباً مکمل کنٹرول برطانیہ کے پاس چلا گیا اور ۱۹۲۲ء میں اقوام متحدہ نے بھی اس کنٹرول کو باقاعدہ تسلیم کرلیا اور اسی سال (ہربرٹ صموئیل) متشدد یہودی کو فلسطین میں برطانیہ کی طرف سے پہلا مندوب تعینات کردیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا رزولوشن پاس ہوا، اس طرح ناجائز ریاست اسرائیل کی بنیاد پڑی اور عرب آبادی کے سینہ پر اسرائیل کا خنجر پیوست کردیا گیا۔

دوستو! برطانوی تسلط (۱۹۱۸ء تا ۱۹۴۸ء) کے دوران یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ بالجبر برطانیہ کے زیرِسایہ شروع ہوا جو ۱۹۴۸ء تک چھ لاکھ چھیاسی ہزار تک پہنچ گیا اور اس سلسلہ میں برطانیہ نے جبراً غیر فلسطینی کاشتکاروں کی اراضی، اپنی غصب کردہ اراضی اور ثقافتِ اسلامیہ کی اراضی جو صدیوں سے اسلامی مقاصد کے لیے وقف تھی، یہودیوں کو دینا شروع کی، یوں برطانیہ کے زورِ بازو پر ۲۹۲ اسرائیلی کالونیاں بن چکی تھیں اور برطانیہ ہی کی شہ پر اسرائیل کے باقاعدہ اعلان سے پہلے ستر ہزار عسکری جنگجوؤں کی فوج بھی تیار کی جاچکی تھی، یعنی اسرائیل کی بنیاد ۱۹۴۸ء میں مسلمانوں کی تقریباً چار سو بستیوں کو مسمار اور تقریباً ۲۵ ہزار فلسطینیوں کا قتل عام کرکے ان کی ناجائز آبادکاری سے ہوئی۔ یوں ۱۴رمئی ۱۹۴۸ء کی ایک اَلمناک شام کو یہودیوں نے باقاعدہ اسرائیل کا اعلان کردیا اور پھر ۱۹۶۷ء تک مکمل طور پر بیت المقدس پر اسرائیل قابض ہوچکا تھا۔ یوں حالیہ تنازع سے پہلے تک تقریباً ۵۶ رلاکھ فلسطینی اپنے گھروں سے محروم کرکے پناہ گزین اور مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیئے گئے۔

حیران کن واقعہ

۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۸ء کے دوران ایک اور حیران کن واقعہ پیش آیا کہ سعودی عرب نے اپنی

فلسطین کے ساتھ لگنے والی سرحد نہایت خاموشی سے مملکتِ اُردن کو دے دی، یوں سعودی عرب نے براہِ راست فلسطین کی ہمسائیگی کو بالقصد ترک کر دیا، جس کے متعلق مختلف مثبت اور منفی رائے قائم کی جاتی رہی ہے۔ اسی دوران ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ ہوئی، جس میں عرب ممالک کے تقریباً دس ہزار فوجی شہید ہوئے اور پھر اسرائیل نے مصر، شام، لبنان اور اُردن کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا، اس طرح ۲۰۸۷۰ مربع میل کے علاقے پر یہودیوں نے ناجائز قبضہ کرلیا، جن میں سے کچھ علاقے بعد میں واپس بھی ہوئے، لیکن بہت کم۔

یہودیوں کا نعرہ کہ فلسطین اُن کا وطن ہے؟

یہودیوں کا جو بنیادی نعرہ ہے کہ فلسطین اُن کا وطن ہے، وہ بھی بے بنیاد ہے، کیونکہ معاصر یہودیوں میں سے ۹۰ ٪ فیصد سے زائد یہودیوں کا تاریخی اعتبار سے فلسطین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور معاصر یہودیوں کا تعلق (الخزر اور اشکنار) قبائل سے ہے، جو کہ تاتاری یعنی قدیم ترک قبائل ہیں اور اگر ان کو اپنے وطن واپس لوٹنے کا کوئی حق حاصل ہے بھی تو وہ روس کے جنوبی علاقوں میں ہے، نا کہ فلسطین میں۔

اسی طرح سابقہ ادوار میں بھی یہودیوں نے کئی مرتبہ بالقصد ارضِ مقدس فلسطین میں آنے اور بسنے سے انکار کر دیا تھا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین کی جانب جانے سے ان کی اکثریت نے انکار کر دیا اور بعد کے زمانہ میں جب ایرانی بادشاہ (قورش ثانی) نے انہیں دوبارہ فلسطین میں بسانے کی پیشکش کی تو اُن کی اکثریت نے بابل (عراق) سے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا، اور یہ جو موجودہ فلسطینی ہیں، یہ ان کنعانیوں کی نسل سے ہیں جن کی وجہ سے اس علاقے کا قدیمی نام ارضِ کنعان پڑا تھا۔

اس جنگ کا ایک اور المیہ

اسرائیل کو فریق کے طور پر سب سے پہلے مصر نے ۱۹۷۸ء میں تسلیم کیا اور اس سے معاہدہ کیا، جسے (کیمپ ڈیوڈ معاہدہ) کہا جاتا ہے (میرے خیال میں اس معاہدے نے اسرائیل کے لیے ایک ریاست کے طور پر مضبوطی کی بنیاد رکھ دی تھی) جس میں دو بنیادی شقیں ملاحظہ کریں:

۱: مصر اور اسرائیل کے درمیان ڈپلومیٹک نمائندگی کا تبادلہ۔

۲: دونوں ملکوں کے درمیان اقتصادی مقاطعہ اور جنگی صورت حال کا خاتمہ۔

اس کے بعد ایک طرف تو اکتوبر ۱۹۹۱ء میں تحریکِ آزادیِ فلسطین اور عرب ممالک نے میڈرڈ شہر میں اسرائیل کے ساتھ بلاواسطہ امن مذاکرات کے سلسلے کا آغاز کیا جو دو برس تک بغیر کسی نتیجے کے چلتا رہا،

لیکن درپردہ مذاکرات بھی اسرائیل نے شروع کردیئے جو (اوسلو) معاہدے کی بنیاد بنے، جس پر عرب نمائندوں اور اسرائیل نے ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو دستخط کردیئے، جس میں بدقسمتی سے عرب کی ایک مخصوص قیادت نے (سارے عرب اس میں شامل نہیں تھے) اسرائیل کو ایک جائز ملک تسلیم کرلیا۔ فلسطینی اراضی کے ۷۷ فیصد حصے پر بھی اسرائیلی تسلُّط جائز تسلیم کرلیا اور یہ بھی طے پایا کہ تحریکِ انتفاضہ اب کالعدم ہوچکی ہے اور اسرائیل کے خلاف مسلح کارروائی اب غیرقانونی سمجھی جائے گی۔ یوں عرب قیادت فلسطینی عوام کے مطالبے سے دستبردار ہوگئی، لیکن اس معاہدے کو پورے عالمِ اسلام خصوصاً عرب ممالک میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور عالمِ اسلام کے علماء نے باقاعدہ فتوے جاری کیے کہ فلسطین کی سرزمین کا فیصلہ کرنا کسی کا بھی حق نہیں ہے، خصوصاً غیرفلسطینیوں کا۔ اگر موجودہ وقت میں امت کی حالت کمزور ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ طاقت کے آگے سر جھکا دیا جائے اور یہ کہ مزاحمتی تحریکیں اپنے حجم کے لحاظ سے جاری رہیں گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب کردیں۔

اوسلو معاہدے میں فلسطین کے بنیادی ایشوز کو ڈسکس ہی نہیں کیا گیا تھا، مثلاً القدس شہر کا مستقبل کیا ہوگا؟ فلسطینی مہاجرین کا مستقبل کیا ہوگا؟ مغربی پٹی اور غزہ کے علاقے میں غاصب صہیونی بستیوں کا کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ساتھ یہ بھی اس بھیانک معاہدے میں طے پایا کہ فلسطینی اتھارٹی اسرائیلی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی، فلسطینی اتھارٹی فوج نہیں رکھ سکتی۔ اسرائیل، فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو ویٹو کرسکتا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کی اجازت کے بغیر اسلحے کی خرید وفروخت نہیں کرسکتی۔ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کاروں کو گرفتار کرکے اسرائیلی حکومت کے سپرد کرنا بھی اوسلو معاہدے میں شامل تھا، اسی کے ساتھ اوسلو معاہدے میں یہ بھی ظلم کیا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی کا سرحدات پر اختیار بالکل ختم کردیا گیا اور فلسطینی اپنی سرزمین میں آنے اور جانے کے لیے اسرائیل کی اجازت کے پابند ہوگئے، ایک اور خطرناک چیز اس معاہدے میں یہ ہوئی کہ اب آزادانہ طور پر کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کرسکتا تھا۔

یہودیوں کے ابتداءً دوگروہ تھے

سارے یہودی فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے حق میں نہیں ہیں، بلکہ اس عنوان پر اُن کے بھی دوگروہ ہیں: ایک بالکل لبرل بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور دوسرے دنیا سے الگ تھلگ متشدد بن کر۔ اور یہی متشدد طبقہ فلسطین پر ناجائز قبضہ کرنے کے مکروہ چکروں میں ہے اور امریکہ کی سپورٹ ان کے لیے کیوں ہے؟ اس میں ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ یورپ ان متشدد یہودیوں سے جان چھڑانا چاہتا ہے، تاکہ یورپ کو ان کی

ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھا جاسکے، اسی لیے وہ ان کی ہر ممکنہ سپورٹ کررہا ہے۔

دوستو! یہ تھی اس اسرائیل اور فلسطین قضیے کی تاریخ۔ اُمید ہے کہ اب موجودہ حالات سمجھنا آپ سب کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوں گے، اور اس وقت جو سب سے اہم چیز ہے، وہ فلسطینی بہن بھائیوں سے اظہارِ یکجہتی کرنا، ان کی ہر ممکنہ مدد کرنا، غذاء اور ادویات کی فراہمی اور اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ، یہ وہ اہم اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم مسلم ممالک کے مجبور عوام کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

ویسے تو حق یہ ہے کہ اپنی اپنی حکومتوں سے پرزور مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس جنگ کو رکوانے اور فلسطینی عوام کو ان کا جائز حق دلوانے کے لیے اپنے وسائل کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لائیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ہجری سال کے ’’ربیع الآخِر‘‘اور’’جُمادَی الآخِرَة‘‘ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟

مولانا محمد جاوید، فاضلِ جامعہ

ہجری سال کے چوتھے اور چھٹے مہینے’’ربیع الآخِر‘‘اور’’جُمادَی الآخِرَة‘‘ کا صحیح اور فصیح تلفظ کیا ہے؟ اوران میں سے کونسا تلفظ قواعد کے موافق ہے؟ ذیل میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کر کے صحیح اور فصیح تلفظ کی نشاندہی کی گئی ہے، نیز اکابر علماء کرام کی عبارات میں مذکورہ دو مہینے کے لیے جو تلفظ قواعد کے خلاف استعمال ہوا ہے، اس کی بھی ممکنہ صحیح توجیہ کی گئی ہے۔

مذکورہ دو مہینوں کے لیے عام محاورے میں جو نام لکھے اور بولے جاتے ہیں، ان میں سے ان میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں: (۱) ربیع الآخِر، (۲)ربیع الثاني، (۳) جمادی الآخِرة، (٤)جمادی الأخریٰ، (٥) جمادی الثاني، (٦) جمادی الثانیة.

اس سلسلے میں متعدد مستند کتبِ لغت دیکھنے اور عربی اُصول وقواعد کی روشنی میں جائزہ لینے کے بعد ہم جس نتیجہ تک پہنچے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ’’ربیع الأول‘‘ کے بعد والے مہینے کا صحیح اور فصیح نام ’’ربیع الآخِر‘‘ ہے،’’ربیع الثاني‘‘ نہیں۔ اور’’جُمَادیٰ‘‘ والے دوسرے مہینے کا صحیح اور فصیح نام ’’جُمادَی الآخِرَة‘‘ ہے۔ اور لفظِ’’جُمادی‘‘ کی جیم پر ضمہ، دال پر فتحہ اور آخر میں الف مقصورہ ہے۔ اور لفظِ’’الآخِرة‘‘ کی خا پر کسرہ ہے۔ تاہم چونکہ یہ فرق اصطلاحی اور فنی اعتبار سے ہے، اس پر کسی فقہی حکم کا مدار نہیں؛ اس لیے عرف اور تعامل کی بنیاد پر’’ربیع الثاني‘‘ یا’’جمادی الأُخریٰ‘‘ الفاظ استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ ذیل میں مذکورہ بالا اجمال کی تفصیل اور اس کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

❶- ’’صحیح اور فصیح نام’’ربیع الآخِر، جمادی الآخِرة‘‘ ہے، نہ کہ’’ ربیع الثاني، جمادی الأخریٰ‘‘.

الف-معتبر کتُبِ لغت میں ان دو مہینوں کے لیے جو نام درج ہے، وہ ''ربیع الآخر، جمادی الآخرۃ'' ہے۔

ب-عربی اصول وقواعد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ''جمادیٰ الآخرۃ'' ہونا چاہیے، نہ کہ ''جمادی الأخرٰی''، کیوں کہ ''جمادی الآخرۃ'' میں لفظِ ''آخرۃ'' یہ ضد اور مقابل ہے لفظِ ''أولیٰ'' کی، جس طرح کہ اس سے پہلے دو مہینے ''ربیع الأول'' اور ''ربیع الآخر'' میں ''اول وآخر'' ایک دوسرے کی مقابل اور ضد ہیں، اسی طرح یہاں ''جمادی الأولیٰ'' اور ''جمادی الآخرۃ'' میں ''أولیٰ و آخرۃ'' باہم متضاد و متقابل ہیں۔ اور ''أوّل'' کی تانیث ''أولیٰ'' آتی ہے؛ کیونکہ اسم تفضیل واحد مؤنث کا وزن ''فُعْلیٰ'' ہے۔ تاج العروس شرح قاموس (۷/ ۵۱۹) کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحیح و درست نام ''جُمَادَی'' (جیم کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ) ہے، وہیں یہ باتیں بھی معلوم ہوئیں: کہ ''جُمادی الأولی'' اور ''جُمادی الآخرۃ'' یہ دونوں عربی مہینوں کے علَم (نام) ہیں۔ دونوں ناموں میں ''جُمادَی'' کی دال پر فتحہ ہے، کوئی اور حرکت نہیں۔ ''جمادی الأولی'' اور ''جمادی الآخرۃ'' مؤنث ہیں۔ اور ان دونوں کے علاوہ سارے عربی مہینوں کے نام مذکر ہیں۔

ج-''آخِرۃ'' یہ خا کے کسرہ کے ساتھ ''آخِرٌ'' کی تانیث ہے؛ کیونکہ ''آخِر'' ''فاعِلٌ'' کے وزن پر اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے، اور ''أوّل'' کی ضد ہے، جس کا معنی پچھلا اور آخری ہے، تو اس کی تانیث ''آخِرۃٌ'' بروزنِ ''فاعِلۃٌ'' آئے گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ''هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ'' (الحدید:۳)

اس (آخِرٌ) سے ملتا جلتا ایک لفظ ''آخَر/ الآخَر'' (خا کے فتحہ کے ساتھ) ہے، اس کی مؤنث ''فُعلیٰ'' کے وزن پر ''أُخْریٰ'' آتی ہے۔ اور اس کے معنی ''ایک اور''، ''دوسرا''، اور ''غیر'' وغیرہ آتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''ثوبٌ آخَر'' (دوسرا کپڑا) پس ثابت ہوا کہ ''اُخریٰ'' اور ''آخِرۃ'' دو الگ الگ لفظ ہیں، اور دونوں کا معنی بھی الگ ہے کہ ''آخِرٌ'' ''أوّل'' کا مقابل اور آخری کے معنی میں ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى'' (الضحیٰ:۴) آیتِ ہذا میں ''آخرۃ'' کے مقابل اور ضد کے طور پر لفظِ ''أولیٰ'' آیا ہے۔

جب کہ ''اُخریٰ'' کا لفظ ''ایک اور''، ''غیر'' اور ''دوسرا'' کے معنی میں آتا ہے، یہ ''أوّل'' کا مقابل نہیں ہے۔ اور نہ ہی ''آخری'' ہونے پر یہ دلالت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ'' (طٰہٰ:۱۸) اور ''وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ'' (طٰہٰ:۳۷)۔ مذکورہ بالا آیات میں ''اُخْریٰ'' کا لفظ ''دوسرا''، اور ''ایک اور'' کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔

❷-''اسی طرح ''جمادی الآخِرة'' کے بجائے ''جمادی الثاني'' یا ''جمادی الثانية'' لکھنا اور بولنا بھی درست نہیں ہے۔

الف- کیونکہ؛ جب ''جمادی الأخریٰ'' کی اجازت نہیں تو ''جمادی الثاني'' کی بطریقِ اولیٰ اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

ب- نیز ''جُمادی الثاني'' یہ مرکبِ توصیفی ہے، ''جمادیٰ'' موصوف اور ''الثاني'' اس کے لیے صفت ہے، موصوف اور صفت میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت ہونا ضروری ہے (یعنی اگر موصوف مذکر یا مؤنث ہے، تو صفت کا بھی مذکر یا مؤنث ہونا ضروری ہے) جب کہ یہاں مطابقت مفقود ہے؛ کیونکہ ''جُمادَی'' مؤنث ہے اور ''الثاني'' مذکر ہے۔

نیز ''جمادی الآخِر'' کہنا، یا ''جمادی الأول'' کہنا بھی درست نہیں؛ کیوں کہ ایسی صورت میں بھی موصوف وصفت کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت نہیں ہے۔

البتہ اس قاعدہ کی رو سے تو بظاہر ''جمادی الثانية'' درست معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ بھی درست نہیں، اس کی وجہ آگے مستقل آرہی ہے۔

ج- اہلِ عرب لفظ ''الثاني'' اور ''الثانية'' کا استعمال وہاں کرتے ہیں، جہاں اس کے لیے کوئی ''ثالث'' ''ثالثة'' بھی ہو (یعنی تیسرا فرد بھی ہو)، اور چوں کہ ''ربیع'' اور ''جُمادی'' کا کوئی ''ثالث''، ''ثالثة'' نہیں ہے؛ لہٰذا یہاں ''ربیع'' اور ''جُمادَی'' کے ساتھ ''الثاني'' اور ''الثانية'' کا استعمال، اہلِ عرب کے اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تائید سورۃ الاسراء کی آیت نمبر: ۵ اور ۷ سے بھی ہوتی ہے، مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں ''أُولَاهُمَا'' کے مقابلہ میں ''وَعْدُ الْآخِرَةِ'' لایا گیا، نہ کہ ''وَعْدُ الثَّانِيَةِ''۔

❸-اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی ''ربیع الآخِر'' اور ''جُمادَی الآخِرة'' کے بجائے ''ربیع الثاني''، اور ''جمادی الأُخری'' ہی استعمال کرے تو آیا اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ چونکہ ''ربیع الآخِر'' اور ''جُمادَی الآخِرة'' علم ہے اور ''أعلام'' میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنا تحریف کے زمرے میں آتا ہے، جو کہ ناجائز ہے، چنانچہ نحو إتقان الكتابة باللغة العربية (ص:۹٦) میں ہے:

''وفيما يلي أسماء الشهور العربية، وهي أعلامٌ على هٰذه الشهور لا يجوز تحريفها.''

ترجمہ: ’’اسلامی مہینوں کے جو نام ہیں وہ ان مہینوں کے اَعلام ہیں، ان میں تحریف جائز نہیں۔‘‘

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصولِ عربیت کے لحاظ سے صحیح اور فصیح علم ’’ربیع الآخِر‘‘ اور ’’جُمادَی الآخِرۃ‘‘ ہے۔ اور چوں کہ اعلام میں تصرف وتغیر منع ہے؛ اس لیے ’’جمادی الأُخْریٰ‘‘ یا ’’جمادی الآخِر‘‘ یا ’’جمادی الثانیۃ‘‘ یا ’’جمادی الثاني‘‘ یا ’’جمادی الآخَرۃ‘‘ نیز ’’ربیع الآخِر‘‘ کو ’’ربیع الثاني‘‘ لکھنے اور بولنے سے اجتناب کرنا چاہیے، اور صحیح تلفظ ’’ربیع الآخِر‘‘ اور ’’جُمادَی الآخِرۃ‘‘ ہی لکھنے اور بولنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

❹- جہاں تک بات ہے عباراتِ اکابر کی (جن میں ان دو مہینوں کے لیے ’’جمادی الأخریٰ‘‘ اور ’’ربیع الثاني‘‘ استعمال ہوا ہے)، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگرچہ لغت اور اصولِ عربیت کے لحاظ سے صحیح اور فصیح لفظ ’’ربیع الآخر‘‘ اور ’’جمادی الآخرۃ‘‘ ہے، تاہم ’’تفسیر روح البیان‘‘ میں علامہ ابن الکمالؒ سے ایک قول منقول ہے کہ ’’جمادی الأخریٰ‘‘ کہنا بھی صحیح ہے۔ اسی طرح علامہ زکریا انصاریؒ (المتوفی: ۹۲۶ھ) نے ’’ربیع الثاني‘‘ کے بارے میں ایک قول جواز کا نقل کیا ہے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ جن حضرات کی عبارات میں ان دو مہینوں کے لیے ’’جمادی الأخریٰ‘‘ اور ’’ربیع الثاني‘‘ وغیرہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، ان کے پیشِ نظر علامہ ابن الکمالؒ اور علامہ زکریا انصاریؒ کا قولِ مذکور ہو۔

نیز چونکہ یہ فرق اصطلاحی اور فنی اعتبار سے ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوا، اور اس پر کسی فقہی حکم کا مدار بھی نہیں ہے؛ اس لیے بظاہر ان حضرات نے عرف اور تعامل کی بنیاد پر ’’ربیع الثاني‘‘ یا ’’جمادی الأُخریٰ‘‘ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔..... واللہ أعلم بالصواب

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اعلان برائے قارئینِ بینات

قارئینِ بینات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ سے ماہنامہ بینات کا زرِسالانہ مبلغ 700 (سات سو روپے) ہوگا۔ ماہنامہ بینات کے پرانے اور نئے خریدار آئندہ سال کے لیے اسی حساب سے رقم بھجوائیں۔ **(ادارہ بینات)**

استاذِ جامعہ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور استاذ، جامعہ کے رئیسِ ثالث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے معتمد و رفیق کار، جامع مسجد قدسی (جمشید روڈ) کے امام وخطیب اور ہزاروں طلبہ کرام کے مشفق ومحبوب استاذ حضرت مولانا محمد زکریا بن عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے رنگ وبو میں ۵۵ بہاریں گزار کر ۲۴ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۲۰۲۳ء بروز بدھ راہیِ عالمِ آخرت ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش چاٹگام (بنگلہ دیش) میں ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک بنگلہ دیش میں ہی درجہ ثانیہ تک کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں اپنے ملک سے رختِ سفر باندھ کر برصغیر کی عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درجہ ثالثہ وہاں پڑھا۔ ۱۹۸۶ء میں پاکستان آمد ہوئی، ایک سال (درجہ رابعہ) جامعہ رحمانیہ بفرزون میں پڑھنے کے بعد باقی درجات خامسہ تا دورہ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں پڑھے اور ۱۹۹۳ء میں جامعہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد تبلیغی جماعت میں ایک سال لگایا، پھر جامعہ میں بطور مدرس تقرر ہوا۔ تادمِ حیات جامعہ میں اولیٰ سے لے کر درجہ سادسہ تک کی مختلف کتابوں کی تدریس کی خدمت سرانجام دی۔ تدریس کے دوران پہلے گل پلازہ صدر کی ایک مسجد میں، پھر وہاں سے جامع مسجد قدسی جمشید روڈ نمبر:۱ میں امام وخطیب مقرر ہوئے۔ درس وتدریس اور امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کی زیرِنگرانی تصنیفی وتحقیقی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے، چنانچہ ۱۹۹۵ء سے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت (۱۹۹۷ء) تک تقریباً تین سال تک ''کشف النقاب'' کا کام کیا اور اب کئی سال سے دوبارہ ''کشف

النقاب'' کے باقی ماندہ تحقیقی کام میں ایک اہم رکن کی حیثیت سے شریک رہے۔ ''معارف السنن'' کے موجودہ ایڈیشن کی پروف ریڈنگ اور اس کی تصحیح میں بھی حصہ لیا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے کئی تراجم وتصانیف کی پروف ریڈنگ اور تصحیح بھی کی۔ اس کے علاوہ آپؒ نے مسواک کے فضائل پر ایک کتابچہ لکھا، جو بہت مقبول ہوا، اور عم پارہ کی نحوی ترکیب پر مشتمل مجموعہ بھی تالیف فرمایا۔

آپؒ کے ایک کان کی سماعت کا مسئلہ تھا، پھر دونوں کانوں کی قوتِ سماعت متاثر ہوئی، علاج معالجہ چلتا رہا، بھاری دوائیوں کی وجہ سے طبیعت مزید بگڑتی رہی، جسم کے دیگر اعضاء جگر وغیرہ بھی متاثر ہوتے گئے۔ تقریباً ۲ر سال مستقل علالت میں گزرے۔ بالآخر ۲۴ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱ر اکتوبر ۲۰۲۳ء بدھ کی شب کو ۵۵ ر سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آگیا۔

اگلے دن ظہر کی نماز کے بعد جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی دامت برکاتہم العالیہ کی امامت میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اور ناظم آباد پاپوش نگر کے قبرستان میں آپؒ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ میں جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ کثیر تعداد میں عوام الناس نے شرکت کی۔ آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ، ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا کی تمام دینی خدمات کو قبول فرمائے، ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ تمام قارئینِ بینات سے حضرت مولانا کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

جامعہ کے استاذ وامام جامع مسجد بنوری ٹاؤن کو صدمہ

جامعہ کے سابق امام مولانا قاری سید رشید الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور جامعہ کے استاذ وامام وخطیب جامع مسجد بنوری ٹاؤن مولانا سید یوسف حسن طاہر، استاذ ونائب امام مولانا سید عتیق الحسن، استاذ ومؤذن مولانا سید مزمل حسن کی والدہ ماجدہ ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۸ر نومبر ۲۰۲۳ء بروز منگل انتقال فرما گئیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی. اللّٰہم اغفر لہا وارحمہا وعافہا واعف عنہا وأکرم نزلہا ووسع مدخلہا . آمین.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور صاحبزادگان اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

قارئین بینات سے اُن کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نفل نماز کے سجدے میں اردو زبان میں دعاء مانگنے کا حکم

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:
کیا نفل نماز کے سجدے میں اردو زبان میں دعاء مانگنا درست ہے؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ نماز میں چاہے فرض نماز ہو، یا نفل نماز، دعاء عربی زبان میں کرنا لازم ہے۔ عربی کے علاوہ کسی اور زبان مثلاً اردو، فارسی یا انگریزی وغیرہ میں دعا کرنا جائز نہیں، اسی طرح عربی میں ایسی دعا کرنا بھی درست نہیں جو کلام الناس کے مشابہ ہو۔ اگر کسی ایسی چیز کی دعا کی گئی جس کا سوال بندوں سے محال نہیں اور ایسے الفاظ قرآن یا حدیث میں کہیں نہیں آئے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

’’ (ودعا) بالعربية ، وحرم بغيرها ..... (بالأدعية المذكورة في القرآن والسنة، لا بما يشبه كلام الناس).‘‘

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل: ٥٣٢/ ١. ط: سعيد)

وفيه أيضاً:

’’والمختار كما قاله الحلبي أن ما هو في القرآن أو في الحديث لايفسد، وما ليس في أحدهما إن استحال طلبه من الخلق لايفسد، وإلا يفسد لو قبل قدر التشهد.‘‘

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل:٥٢٣/ ١، ط: سعيد)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد احمد بلتی
الجواب صحیح		دار الافتاء
محمد شفیق عارف		جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

نقد و نظر

ادارہ

زاد الرشید فی فوائد التفسیر

مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب۔ صفحات: ۴۱۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ضلع ملتان۔ برائے رابطہ: 0301-8525790

مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی نسبتوں، خوبیوں اور صفات سے متصف اور مزین فرمایا ہے، جہاں آپ بہترین مقرر، کامیاب مدرس، اپنی جامعہ کے عمدہ و کامیاب منتظم و معمار ہیں، وہاں آپ ایک اچھے کالم نگار اور مؤلف و مصنف بھی ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مؤلف و مصنف ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب تفسیر کے فوائد پر مشتمل ہے، جس کو دو مرکزی ابواب: ۱:-اصولِ تفسیر، ۲:-علومِ قرآن پر تقسیم کیا ہے۔ اور پھر ہر ایک باب کو کئی عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے، مثلاً: بابِ اول کے تحت: اصولِ تفسیر، مراتبِ تفسیر و معتبر مآخذ، مفسر صحابہ کرامؓ کے طبقات، تفسیر کے لیے ضروری علوم، تفسیر قرآن میں کوتاہیاں اور ان کی وجوہات، قرآن کریم کی چند معتبر اور مفید تفاسیر، سرزمین عرب میں رائج مذاہب، سرزمین عجم میں رائج مذاہب، کتابت و تدوین قرآن، رسم عثمانی، قرآن کریم کے سات حروف اور قراءتیں، قراءتوں کی تاریخ و پس منظر، شانِ نزول، بحث نسخ، سورۃ کی تحقیق، آیات کی تحقیق، مکی و مدنی سورتیں وآیات، سورتوں، رکوعات اور آیات کے درمیان ربط، ربط معلوم کرنے کے اصول، منزلوں، پاروں، اور رکوعات کی تقسیم جیسے عنوانات ہیں۔ اور بابِ دوم کے تحت: علوم قرآن، تعریف قرآن، چند قرآنی الفاظ کی توضیح، قرآن کریم میں موجود قسمیں اور ان کی وجوہات، اصطلاحات القرآن، قرآنی احکام کے بنیادی اصول، تلاوتِ قرآن کے اہداف و مقاصد، سلاسلِ سبعہ، قرآن کریم کے علومِ خمسہ اور اہم مضامینِ قرآن ہیں۔

یہ تمام فوائد مختلف تفاسیر سے اخذ کیے گئے ہیں، خصوصاً حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ملتانیؒ کے غیر مطبوعہ فوائد تفسیر اس مجموعہ کا حصہ بنائے گئے ہیں، جو انتہائی نادر اور مفید معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف کی رائے میں ترجمہ

قرآن اور تفسیر قرآن کا ذوق رکھنے والے علماء کرام، طلبہ عظام اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید اور نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد عابد مدنی دامت برکاتہم العالیہ استاذ جامعہ خیر المدارس ملتان کی تقریظ اس کتاب کی ثقاہت کے لیے بین دلیل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب کے مؤلف اور معاونین کی اس محنت کو قبول فرمائے اور قارئین کے لیے اس کو نافع بنائے۔ امید ہے تفسیر قرآن سے شغف رکھنے والے احباب اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔ البتہ کتاب جتنی عمدہ ہے، اس کی شایانِ شان کاغذ نہیں لگایا گیا اور نہ ہی جلد بندی اور ٹائٹل میں معیار کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ امید ہے آئندہ ایڈیشن معیاری ہوگا۔

نقوشِ مصطفی ﷺ (مکی زندگی)

مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب۔ صفحات: ۵۴۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ضلع ملتان۔ برائے رابطہ: 0301-8525790

زیر تبصرہ کتاب مؤلف کے ۲۴ رخطبات کا مجموعہ ہے، جس میں حضور ﷺ کی ولادت سے ہجرت تک کے موضوعات شامل ہیں۔ مولانا موصوف اختتامیہ میں لکھتے ہیں:

> ''نقوشِ مصطفیٰ جلد اول دراصل خطباتِ صدیقی جلد اول کی نئی ترتیب وتدوین ہے۔ خطباتِ صدیقی جلد اول میں بعض بیانات کی ترتیب میں تقدُّم وتاخُّر ہوگیا تھا۔ نقوشِ مصطفیٰ جلد اول میں یہ ترتیب درست کردی گئی ہے۔ اکثر بیانات میں حسبِ ضرورت اضافے کیے گئے ہیں۔ معراج نبی ﷺ کے بیانات اور ہجرت رسول ﷺ کے بیانات میں تشنگی محسوس ہوئی تو پرانے بیانات نکال کر نئے بیانات جو گزشتہ سال کیے گئے تھے، قرآن کی آیات یا حدیث یا کوئی تاریخی بات شامل کیے گئے ہیں۔ گویا یہ بالکل ایک نئی کتاب تیار ہوگئی ہے۔''

اس مجموعہ نقوشِ مصطفی ﷺ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں جو بات بھی بیان کی گئی ہے، اس کا حوالہ ضرور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ مولانا کی ان محنتوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور زیادہ سے زیادہ امت کو اس سے مستفیض فرمائے، آمین

آباء کے دیس میں (مع فہرست فضلاء دارالعلوم دیوبند)

مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب۔ صفحات: ۳۳۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ضلع ملتان۔ برائے رابطہ: 0301-8525790

پاکستان کے علماء اور مشائخ کے ایک وفد کا دارالعلوم دیوبند کا سفر ہوا، جس میں مؤلف بھی شریک تھے۔ مؤلف نے پورے سفر کی روداد عمدہ اور انوکھے انداز میں مرتب کی ہے، جس میں ہندوستان کے معروف علمی، تاریخی اور روحانی مراکز، مدارس، خانقاہوں اور مزارات کی زیارت کا وارفتگی اور محبت سے لبریز تذکرہ کیا ہے۔ دیوبند، گنگوہ، سہارن پور، رائے پور، دہلی اور سرہند وغیرہ مقامات اور وہاں کے اکابر کے حالاتِ زندگی بھی مجموعہ کا حصہ ہیں۔

پاکستان کے کئی مشائخ کے دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد رشید میں بیانات ہوئے، ان بیانات کو بھی مجموعہ کی زینت بنایا گیا ہے۔ کئی اور متعلقہ مفید موضوعات بھی شامل کیے گئے ہیں، جیسے: دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کا ریکارڈ اور فہرست، جس میں بالخصوص پاکستان سے تعلق رکھنے والے فضلاءِ دیوبند کی تعیین ونشاندہی کی گئی ہے۔ کتب خانہ کا تعارف کرایا گیا ہے، نیز دارالعلوم دیوبند کے بانیان، سرپرستان، اساتذۂ حدیث اور اربابِ انتظام کی سن وار فہرست اور اسماءِ گرامی بھی لکھے گئے ہیں۔

میرے رہنما، میرے ہم نوا

تصنیف: ڈاکٹر فرید احمد پراچہ۔ صفحات: ۳۹۱۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: قلم فاؤنڈیشن، انٹرنیشنل، یثرب کالونی، بینک اسٹاپ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ۔ رابطہ نمبر: 0300-0515101

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ معروف سیاسی شخصیت ہیں، پنجاب اسمبلی اور قومی اسمبلی کے رکن رہے ہیں۔ کئی سفرناموں اور کتابوں کے مصنف ہیں، ڈائری لکھنے کے عادی ہیں، انہی ڈائریوں کو بعد میں مرتب کر کے شائع کرتے ہیں۔ انہوں نے زیرِ تبصرہ کتاب میں معروف علماء، تحریکی قائدین، سیاست دان، صحافی، عالمی شخصیات اور دوست احباب کے ساتھ اپنی ملاقاتوں، یادوں، تأثرات اور تعلقات کو خوبصورت انداز سے تحریر کیا ہے۔ کتاب میں تقریباً سو شخصیات کا تذکرہ ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے ذکر کردہ شخصیات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے شناسائی ہوتی ہے۔ ایک طرح سے یہ چھوٹی سی تاریخی دستاویز بھی ہے۔ پاکستانی سیاست، دینی وملی تحریکات، شخصیات اور تاریخ سے شغف رکھنے والوں اور مطالعہ کے شوقین حضرات کے لیے یہ کتاب دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔

کتاب کے ٹائٹل اور اِنر ٹائٹل پر مختلف شخصیات کی تصاویر کی بھرمار ہے، جو کتاب کے حسن اور سنجیدگی کو گہنا رہی ہیں۔ پرنٹڈ تصویر کی حرمت علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے، دینی سیاست کے علمبردار دینی احکام وحدود کی رعایت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ بہرحال کتاب کا کاغذ درمیانہ، جلد بندی مضبوط ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....